رجسٹرڈ نمبر اے

مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند

ماہوار رسالہ

دار العلوم

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دار العلوم دیوبند

مرتبہ

عبد الوحید غازیپوری

ناظم شعبۂ تنظیم ترقی دار العلوم دیوبند

ماہنامہ

دارالعلوم

سالانہ چندہ تین روپے

قیمت فی پرچہ ۴؍ بیرون ہند باضافہ محصول ڈاک

نصب العین

(۱) تعلیمات اسلام کو سہل اور دل نشین پیرایہ میں پیش کر کے مسلمانوں میں صحیح مذہبی ذہنیت پیدا کرنا۔
(۲) اسلام کے قدیم وجدید مخالفوں کے حملوں کی بطریق احسن مدافعت کرنا۔
(۳) دقیق علمی مسائل کے متعلق علمائے دیوبند کے محققانہ مقالات پیش کرنا۔
(۴) حالاتِ دارالعلوم سے معاونین ومتوسلین دارالعلوم کو باخبر رکھنا۔

فہرست مضامین

جلد — بابتہ ماہ ربیع الثانی وجمادی الاول وجمادی الثانی سنہ ۱۳۶۴ھ — شمارہ (۴) و (۵) و (۶)
مطابق ماہ اپریل ومئی وجون سنہ ۱۹۴۵ء

ضروری معروضات

۱ براہ کرم خط وکتابت اور ترسیل زر کے ساتھ اپنے پتے کی چٹ کا نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔
۲ ہر ماہ کا رسالہ اسی ماہ کے آخری ہفتہ میں شائع ہوجایا کریگا۔ اگر اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ تک رسالہ آپکے پاس نہ پہنچے تو دوبارہ طلب فرماسکتے ہیں۔
۳ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ وی۔پی طلب کرنے میں جانبین کا نقصان ہے۔
۴ دارالعلوم کے اصلاحی وتبلیغی مضامین کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی فرماکر دوگونہ اجر حاصل کریں۔
(ناظم ومرتب رسالہ دارالعلوم)

باہتمام عبدالوحید غازیپوری طابع وناشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں طبع ہوکر دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا)

کوائف دارالعلوم

رسالہ کی اشاعت میں تاخیر - ہمیں ندامت اور افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ رسالہ کی اشاعت میں گذشتہ سال طویل التوا کیوجہ سے اس کے نظم میں جو اختلال پیدا ہو گیا ہے اسے ہم ابتک از سرنو درست کرنے میں خاطر خواہ طور پر کامیاب نہیں ہو سکے مطبع کا معاملہ بدستور الجھا ہوا ہے۔ جنوری [illegible]ء میں بد پریس کی تبدیلی کے لئے جو درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب دہلی کو دیگئی تھی اس کا آجتک کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا مطبع کی اس دشواری کی وجہ سے گذشتہ (محرم لغایۃ ربیع الاول [illegible]ھ) پرچہ کی اشاعت میں اندازہ اور خیال سے کہیں زیادہ تاخیر ہو گئی اس تاخیر کا اثر اس کی تیاری پر بھی پڑا اور ہم اس کی ترتیب کا کام جمادی الاولیٰ سے پہلے شروع نہ کر سکے۔ دوسری بڑی دشواری یہ پیش آگئی کہ رسالہ کے کاتب صاحب نے رسالہ کی اشاعت ملتوی ہو جانے کی وجہ سے بھوپال میں مستقل ملازمت کر لی۔ بہت سے دوسرے مقامی کاتبوں نے کام کی قلت کی وجہ سے کتابت کا کام چھوڑ کر معاش کے دوسرے وسائل اختیار کر لئے۔ کچھ نے دہلی میں کام شروع کر دیا۔ اب دیوبند میں کاتب صاحبان کا وجود تقریباً مفقود ہے۔ جو ایک دو اصحاب موجود ہیں انھوں نے بھی باہر کے مستقل کام لے رکھے ہیں اور کوئی نیا کام لینے کے لئے تیار نہیں۔ کافی کوشش اور ذاتی تعلقات کا واسطہ دینے پر بمشکل انھوں نے رسالہ کا مسودہ کتابت کیلئے قبول فرمایا۔ ہم خوش اور مطمئن ہوئے کہ گو تاخیر سے سہی لیکن کتابت کی طرف سے تو اطمینان ہوا۔ لیکن جب جمادی الثانی کے پہلے ہفتہ میں کاپیاں تصیح کے لئے طلب کیگئیں تو معلوم ہوا کہ مضامین کے مسودے جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اطلاع ہمارے لئے کتنی سوہان روح اور تکلیف دہ ہوئی ہوگی۔ اس کا کچھ اندازہ قارئین کرام بھی کر سکتے ہیں۔ باہر سے کسی کاتب کی خدمات حاصل کرنے میں بھی ابھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ مقامی کاتبوں سے بھی عرض کیا جا رہا ہے کہ جو تاخیر ہو چکی ہو چکی لیکن اب جلد ہمارا کام مکمل کر دیں۔ کہنے کو میں ان حضرات سے کہہ بھی رہا ہوں اور یہ سطور لکھ بھی رہا ہوں۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں جانتا کہ کبتک انکی کتابت ہو سکے گی۔ اور کتابت کے بعد پریس کے مراحل طے کرنے میں کتنا وقت صرف ہوگا۔

بہر حال ہم دارالعلوم کے معاونین اور ہمدردان کو اتنا یقین ضرور دلا دینا چاہتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ رسالہ بدیر سہی لیکن شائع ضرور ہوگا۔ اور معاونین دارالعلوم کی خدمت میں تمام پرچے پہنچائے جائیں گے۔ کاتب اور پریس کی مشکلات بھی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہیں ان کا بھی کوئی نہ کوئی انتظام

ہو ہی جائے گا۔ لیکن جب تک یہ صورت حال باقی ہے معاونین "دارالعلوم" ہمیں تاخیر اشاعت میں معذور خیال فرمائیں۔

مجلس انتظامیہ کا جلسہ۔ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ کو "مجلس انتظامیہ" دارالعلوم دیوبند کا جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب مدظلہٗ منعقد ہوا۔ حضرت ممدوح کے علاوہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ، حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم اور عالیجناب خانبہادر شیخ ضیاء الحق صاحب دام مجدہٗ شریک جلسہ ہوئے۔ دارالعلوم کے بہت سے اہم انتظامی مسائل پر غور کیا گیا اور مناسب تجاویز منظور کی گئیں۔ جنمیں زیادہ اہم دارالعلوم کی جائداد صحرائی وسکنائی کو ٹھیکہ پر دینے کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق مجلس انتظامیہ کے فیصلہ کے مطابق اسی رسالہ کے کسی دوسرے صفحہ پر ٹھیکہ کا اعلان کیا جارہا ہے۔

مجلس تنظیم وترقی کا جلسہ۔ مجلس تنظیم وترقی کے جلسے زیر صدارت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ صدر مجلس تنظیم وترقی بتاریخ ۲، ۳، ۴ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ کو منعقد ہوئے جس میں راقم الحروف نے بحیثیت ناظم شعبہ ان خدمات کی تفصیل پیش کی جو اس شعبہ نے ۱۳۶۲ھ میں انجام دیں۔ شعبہ کو ترقی دینے اور دارالعلوم کے لئے اسے بیش از بیش مفید بنانے کی مختلف صورتوں پر غور کرکے انھیں بروئے کار لانے کے متعلق ضروری تجاویز منظور کی گئیں۔

بہی خواہان دارالعلوم وابنائے قدیم کیلئے یہ اطلاع یقیناً بہت زیادہ مسرت کا موجب ہوگی کہ ۱۳۶۲ھ میں انکے ایثار، امداد اور کوششوں سے جو انھوں نے بطور خود اور سفرائے شعبہ تنظیم کے ساتھ ملکر کیں حلقۂ بہی خواہان سے دارالعلوم کی امداد میں مبلغ [illegible] کی گرانقدر رقم پیش کی گئی۔ ہمیں ابنائے دارالعلوم اور بہی خواہان کی مخلصانہ توجہات اور سرگرمیوں سے قوی امید ہے کہ اس سال (۱۳۶۴ھ) میں حلقۂ بہی خواہان کم ازکم ایک لاکھ روپے کی رقم دارالعلوم کی خدمت میں ضرور پیش کرے گا۔ اگر فرزندان دارالعلوم اور بہی خواہان ومتوسلین دارالعلوم اپنے اپنے مقام پر دارالعلوم کے متعلق اپنی توجہ میں تھوڑا سا اضافہ اور فرمادیں اور خود جو رقم ارسال فرمائیں یا حلقۂ بہی خواہان کے دوسرے افراد سے بھجوائیں اس میں بتاکید یہ ضرور لکھدیں کہ انکی رقم "بہی خواہان دارالعلوم" کے حساب میں جمع کیجائے تو **ایک لاکھ روپیے** کا ۱۳۶۴ھ میں جس کے ابھی ۶ ماہ اور باقی ہیں حلقۂ بہی خواہان کی طرف سے دارالعلوم کی خدمت میں پیش ہوسکنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

ظاہر ہوتا ہے۔ اور دیکھنے والوں پر یہ بات بخوبی منکشف ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے عجیب و غریب خوارق اور معجزات کا صدور و ظہور بدون تائید الٰہی اور امداد غیبی و سماوی کے ناممکن اور محال ہے۔ اسی سنت کے مطابق حق تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کے لئے دونوں قسم کی آیات و معجزات ظاہر فرمائے۔

معجزات عقلیہ۔ (۱) آپکے اخلاق و اعمال۔ شمائل و احوال۔ آپ کے علوم و معارف آپ کے جوامع الکلم اور محاسن اشارات کہ جن کے دقائق و اسرار کے ادراک سے اذکیاء عالم قاصر و عاجز ہیں۔ آپ کی کامل و مکمل شریعت آپ کی ملت حنفیہ سمحۂ و بیضاء جسکی شان یہ ہے لیلہا والنہار ھا سواء۔ جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اعمال۔ اور شمائل و احوال کا مشاہدہ کیا اور آپ کے خطبات اور کلمات طیبات کو گوش ہوش سے سنا اُن کو سنتے ہی اس کا کامل یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اکتسابی شئے نہیں بلکہ تعلیم الٰہی اور تائید سمائی ہے۔

اس لئے کہ ایک امی شخص کہ جس نے نہ ایک حرف پڑھا اور نہ لکھا۔ نہ کسی سے تعلیم پائی اور نہ طلب علم کے لئے کبھی کوئی سفر کیا۔ اور ایسے قبیلہ اور ایسے شہر اور ایسے زمانہ میں ظاہر ہوا کہ جہاں علم کا نام و نشان بھی نہ تھا ملک کا ملک جہالت اور رذائل اخلاق اور فواحش کا معدن و منبع بنا ہوا تھا۔ ایسی قوم میں رہ کر ایک یتیم اور امی کا تمام رذائل سے پاک اور منزہ رہنا اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب صدق و امانت۔ صبر و شکر۔ زہد و عدل۔ عفت و عصمت۔ تواضع و شجاعت۔ حیاء و مروت جود و کرم۔ غرض یہ کہ تمام مکارم و محاسن اور شمائل و آداب کا منبع و سرچشمہ ہو جانا۔ اور ایسے علوم و معارف کا بیان کرنا کہ اولین و آخرین میں کہیں اس کی نظیر نہ ہو۔ اگر یہ تعلیم ربانی اور موہبۃ رحمانی نہیں تو بتلا دیا گیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

اور حق جل شانہ کے اس مبارک ارشاد میں اسیطرف اشارہ ہے۔

ام لم یعرفوا رسولھم فھولہ منکرون۔	کیا یہ لوگ اپنے رسول سے ناواقف ہیں جو اسکے منکر ہو رہے ہیں

وقال تعالیٰ۔

وماکنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون	آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے اگر بالفرض ایسا ہوتا تو ممکن تھا کہ یہ باطل پرست آپکی نبوت میں کوئی شبہ نکالتے

وقال تعالیٰ۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون	آپ کہدیجئے کہ میں تو اس سے پہلے عمر کا ایک حصہ تم میں گذار چکا ہوں کیا پھر بھی نہیں سمجھتے

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست | کتب خانہ چند ملت بشست
نہ ازلات و عزیٰ برآورد گرد | کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

قرآن اور حدیث پر ایک اجمالی نظر ڈال لیجئے خود معلوم ہوجائے گا کہ علوم اور معارف کا دریائے زخار ہے۔ کوئی خیر ایسی نہیں کہ جس کا حکم نہ دیا گیا ہو اور کوئی شر ایسا نہیں کہ جس سے منع نہ کیا گیا ہو۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس کے احکام نہ بتلائے گئے ہوں وغیرہ وغیرہ۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔

فلما استثبت وجهه عرفت ان وجهه ليس بوجه الكذاب۔	پس جبکہ میں نے آپ کا روئے مبارک دیکھا تو پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔

مولائے رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است | روئے و آواز پیمبر معجزہ است
چوں پیمبر از برون بانگے زند | جان امت در درون سجدہ کند

اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

لو لم تكن فيه آيات مبينة | لكان منظره ينبيك بالخبر

(ترجمہ) اگر آپ میں بالفرض نبوت و رسالت کی کھلی کھلی نشانیاں نہ بھی ہوتیں تب بھی آپ کا چہرہ مبارک ہی نبوت و رسالت کی خبر دیدیتا۔

(۲) ادائے رسالت میں طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرنا اور کبھی مال و جاہ کی طرف ذرہ برابر التفات نہ ہونا اور دشمنوں کی شدید سے شدید تکالیف اور اذیتوں پر فقط صبر ہی نہیں بلکہ دعاء ہدایت فرمانا۔ اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون۔ یہی آپکے برگزیدہ ہونیکی روشن دلیل ہے۔ خدا کا برگزیدہ بندہ ہی ایسا صبر کرسکتا ہے۔

دعوائے نبوت کے بعد کفار مکہ نے اموال کثیرہ اور حسین سے حسین عورتیں آپکے سامنے پیش کیں مگر اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی نے جسکو خدا نے مجسم زہد و عفت بنا کر بھیجا تھا ذرہ برابر اسکی طرف التفات نہ کیا اور دشمنوں پر فتح پالینے کے بعد بھی پھر اسیطرح دنیا سے بے التفاتی اور توجہ الی اللہ باقی رہی یہ کیا آپکے نبی برحق اور رسول صادق ہونیکی صریح دلیل نہیں وقال تعالیٰ

وجاء من اقصى المدينة رجل يسعى قال يقوم اتبعوا المرسلين اتبعوا من لا يسئلكم اجرا وهم مهتدون۔	ایک شخص شہر کے دور سے دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم کو یہ کہنے لگا کہ اے قوم خدا کے فرستادوں کا اتباع کرو ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کسی قسم معاوضہ کے طالب نہیں اور خود راہ راست پر ہیں۔

(باقی آئندہ)

خطبۂ صدارت

اجلاس جمعیۃ علماء صوبۂ بمبئی

از فخر الاماثل حضرت الحاج مولانا قاری حافظ محمد طیب صاحب مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۱۲) اس لئے آیت بالا میں موسیٰ وہارون علیہما السلام کو نہ صرف یہی حکم دیا گیا کہ بحیثیت فرستادہ خدا ہونے کے دربار فرعونی میں جاؤ اپنی طرف سے مت جاؤ اور نہ صرف یہی کہ ہمارا ہی پیغام پہونچاؤ اپنی طرف سے کچھ نہ کہو یعنی کوئی اختراعی پروگرام مت اختیار کرو بلکہ یہ بھی ارشاد ہے کہ انداز پیام رسانی بھی ہمارا ہی متعین کردہ اختیار کرو بطور خود طریق ابلاغ بھی متعین نہ کرو۔ اور وہ یہ کہ :-

فقولا لہٗ قولاً لیّناً | اور پھر اوس (فرعون) سے نرمی کیساتھ بات کرنا۔

یعنی مکالمہ میں بھی تشدد کا پیرایہ نہ آنے پائے جبکہ یہ جنگ عدم تشدد کی جنگ ہے۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام جو اس جنگ آزادی کے قائد اعظم تھے طبعاً تیز مزاج تھے اور اونکی شان جلالی واقع ہوئی تھی۔ افتاد طبع میں حدّت اور شدّت تھی چنانچہ اس تشدد پسندی کے چند واقعات بھی اُن سے ظاہر ہو چکے تھے۔ قبطی کو جوش میں تھپڑ مارا تو اوس کی گردن الگ جا پڑی اور مر گیا۔ بچپن میں فرعون کا دعوائے الوہیت سُنکر ایک دو چپت بھی رسید کئے اوس کی ڈاڑھی پکڑلی وغیرہ۔ تو اندیشہ تھا کہ فرعون کے بیباکانہ اور گستاخانہ جوابات سنکر موسیٰ علیہ السلام اپنی طبعی رفتار پر کہیں اُکھاڑ پچھاڑ کرکے نہ چلے آویں اور نصیحت و شفقت یا اتمام حجۃ کا معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ اس لئے بتاکید دونوں حضرات کو شیریں زبانی اور نرم گوئی کا حکم دیا گیا تاکہ یا دشمن اس خوش اخلاقی سے مسخر ہو جائے اور یا پھر برملا اوس کی تعدی واضح ہو کر کھلے بندوں اوس پر حجۃ تمام ہو جائے۔

کون نہیں جانتا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ جوش وخروش عیاذاً باللہ نفسانی نہ تھا کہ نبوۃ کی بارگاہ

اس سے پاک ہے بلکہ وہ بغض فی اللہ تھا جو شرعاً مطلوب ہے۔ لیکن موقعہ کی نزاکت اور اجتماعیات کی تکمیل کے سلسلہ میں ضروری تھا کہ اس جذبہ کو اگرچہ وہ دینی تھا مستور کرکے دوسرے دینی جذبہ رأفۃ فی اللہ اور صبر و تحمل کو بروئے کار لایا جائے کیونکہ مقصود اصلی صرف اتنا ہی نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تبلیغ کرکے اپنا ذمہ بری کرلیں اور فرعون کو کہہ سُنکر فارغ ہوجاویں بس فرض تبلیغ ادا ہوجائے آگے فرعون اور فرعونی جنت میں جائیں یا جہنم میں۔ نہیں بلکہ مقصود اصلاح اور تکمیل کار تھی اور فرعون کے پاس اس جذبہ کیساتھ جانا تھا کہ وہ کسی طرح راہ راست پر آجائے نہ یہ کہ ہم پیام پہنچا کر بری الذمہ ہوجائیں اور ظاہر ہے کہ قصد اصلاح و تربیت کیساتھ مخاطب کے احوال کی رعایت کیجاتی ہے نہ کہ اپنے احوال کی۔ اس صورت حال سے یہ مسئلہ نمایاں ہوتا ہے کہ آج بھی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے قائد اور زعماء کا خواہ وہ کسی اجتماعی ادارہ کے ذمہ دار ہوں یا خود اپنے کام کے شعار رأفۃ و رحمۃ ہونا چاہئے قول لین اور نرم گوئی اونکی شان غالب ہو تاکہ اپنے لوٹنے نہ پائیں اور غیر بیگانے نہ رہیں۔ غلظۃ قلب اور شدۃ ہمیشہ قطع کا باعث ہوتی ہے اور رأفۃ ولینت ہمیشہ وصل وملاپ کا سبب بنتی ہے لیکن ایسا کہ اوسمیں مداہنت اور استرضاء غیر اللہ نہ ہو۔ پس زعماء مسلمین زیادہ احق ہیں کہ رحماء بینھم کے مصداق بنیں اور اشداء علی الکفار ہو کر حکمۃ و رأفۃ اور نصیحت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں حکومت متسلّطہ کے مظالم اور آئینی اندازکی چیرہ دستیاں مسلمانوں کی شوکت کو تباہ کرنے کی دسیسہ کاریاں، بلاد اسلامیہ کو چن چن کر پامال کرنا اور اسلامی شوکت کو مٹا کر نصرانی عظمت و انتداب قائم کرنا، مقامات مقدسکی بے حرمتی کرنا، ہندوستان کے بارہ میں مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدوں اور وعدوں کو پس پشت ڈالکر اونکی صریح خلاف ورزی کرنا، ہندوستانی اقوام سے جھوٹے وعدے کرکے اونہیں احمق بنانا اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہنا، اونہیں لڑا لڑا کر حکومت کی بنیادیں استوار کرنا، وغیرہ وہ اُمور ہیں کہ حمیت اسلامی کے ماتحت اون پر مسلمانوں اور اون کے زعماء کو جس قدر بھی جوش ہو کم ہے اور جس قدر بھی وہ غیظ و غضب کا اظہار کریں اونہیں حق ہے فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا۔ لیکن ساتھ ہی یہ پہلو بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں کہ مقصود اصلی جوش کا مظاہرہ کرلینا نہیں بلکہ اپنی آزادی اور متقابل قوم کو حق سے متأثر کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطب میں تأثر اور میلان اظہار غضب سے پیدا نہیں کیا جاسکتا بلکہ رحمت ولین سے۔ موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ہم بغض فی اللہ کے حامل نہیں ہوسکتے لیکن اونہیں بھی عدم تشدد کی جنگ کی صورت میں قول لین کا حکم دیا گیا۔ جناب رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون بغض فی اللہ سے متخلق ہوسکتا ہے اور وہ بھی بمقابلہ مشرکین مکہ جنہوں نے اللہ کے رسول کو ایذائیں پہونچانے میں کوئی کسر اوٹھا کر نہیں رکھی حتیٰ کہ آخر کار وطن اور گھر بار تک سے محروم کردیا لیکن مکہ کی زندگی میں جو عدم تشدد کی زندگی ہے خود حضور کو بار بار حکم ملتا رہا کہ صبر سے کام لو تحمل کرو کسی جذبہ کا اظہار نہ کرو۔ شفقت وخیرخواہی خلق اللہ کو ہاتھ سے نہ دو گالیاں کھاکے بے مزہ مت ہو۔

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لهم	سو آپ صبر کیجئے جیسے اولوالعزم انبیاء نے صبر سے کام لیا ہے اور جلدی نہ کیجئے۔
فاصفح الصفح الجميل۔	سو آپ خوبی کیساتھ درگذر کیجئے۔
فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين انا كفيناك المستهزئين۔	غرض آپ کو جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اسکو صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے یہ لوگ جو ہنستے ہیں۔

چنانچہ آپ کا خطاب ہی رحمۃ للعلمین ہوا آپ کا لقب ہی رحمۃ مھداۃ ہوا اور اس کے بعد آپ کی شفقت اور خیرخواہی خلق اللہ کا یہ عالم ہوا کہ حق تعالیٰ کو اوس غیر معمولی شفقت سے روک کر اوسکی تعدیل فرمانی پڑی کہ:۔

لعلك باخع نفسك ان لا يكونوا مومنين۔	شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اپنی جان دیدیں گے؟

بہرحال یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ اس عدم تشدد کی جنگ میں دشمنوں اور فرعون صفت دشمنوں کے سامنے قول لین کی ضرورت ہے نہ کہ اظہار غیظ وغضب کی اور خود اونہیں بھی ہدایت کرنیکی ضرورت ہے نہ تنہا اپنی گلوخلاصی کی اس پر بھی موسیٰ علیہ السّلام نے خطرہ ظاہر کیا کہ فرعون ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یعنی باوجود اس نرمی اور لینت کے بھی اوس سے مان جانے کی توقع نہیں بلکہ تمرد اور ڈھٹائی کا ہی خطرہ ہے گویا ایسے سرکش کے لئے پھر نرمی کی کیا ضرورت ہے؟ مگر پھر بھی ارشاد ہوا کہ اس کے ذمہ دار ہم ہیں کہ تم پر اوسکی کوئی زیادتی اثر انداز نہ ہوگی ہم دیکھتے سنتے ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں تم تو ناصحانہ اور مشفقانہ انداز ہی سے بات کرو۔ مصلحت اور حکمت یہی ہے۔

(۱۳) اسی سے یہ بھی واضح ہوا کہ جنگ آزادی کے سلسلہ کے قائدین متواضع اور بے تکلف بھی ہونے چاہئیں جو اپنے دل کی ہر کھٹک کا بے تکلف اظہار کرسکیں۔ حتیٰ کہ اپنی کمزوری بھی صاف

صاف کہہ سکیں اور کوئی رسمی وقار اونہیں اظہار حال سے مانع نہ ہو نہ یہ کہ لچر اور شیخی خورے ہوں موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ قدس میں اپنے خوف کا اور دشمن کی طرف سے متوقعہ زیادتیوں کا جو خطرہ دل میں تھا صاف صاف اظہار فرمادیا کہ مجھے فرعون سے زیادتی کا خطرہ ہے اور اوس کی قوم سے تکذیب اور ہٹ دھرمی کا۔

اس لیے آج ہمارے لیے بھی جبکہ ہم ایک جابر حکومت کے سامنے مطالبے لیکر جانے کا ارادہ رکھتے ہوں اِدّعا اور فخریہ لب ولہجہ یا شیخی کے کلمات کا اظہار کسی طرح مناسب نہیں ہوسکتا۔ ہمارے لیے یہ دعوے کبھی زیب نہ دینگے کہ نہ ہم حکومت سے ڈرتے ہیں نہ ہم پھانسی سے ڈرتے ہیں جیل جانے میں نہیں جھجکتے ہم یہ کر ڈالیں گے اور وہ کچھ کر گذریں گے۔ خدا کرے کہ ہماری قلوب غیر اللہ سے ایسے ہی نڈر اور بے باک ہوں لیکن ادعاء تو پھر بھی ممنوع ہے جب تک کہ ادعاء کی کوئی شرعی ضرورت ہی پیش نہ آجائے۔ ہمیں عموماً ہر حالت میں اور بالخصوص قوی دشمن کے سامنے پڑکر اللہ کے سامنے تواضع اور اعتراف ناتوانی میں ہرگز کوئی ادنیٰ باک نہ کرنا چاہیئے اور پروردگار کے سامنے بلا کسی تکلف اپنی صحیح حالت کا نقشہ رکھکر اُدھر سے امداد کی استدعاء کرنی چاہیئے کیونکہ نہ تصنع کی ہماری شان ہے اور نہ تصنیع کا مظاہرہ ہمارا راستہ حقیقت واقعہ ہونا چاہیئے جیسا کہ آیت بالا میں موسیٰ علیہ السلام کے اسوہ سے واضح ہے۔ تاکہ ساری ذمہ داری حکومت حق پر رہے اور ہم محض خدا کے ایک عاجز بندے اور کار گذار کی حیثیت سے حکومت متقابل کے سامنے پیش ہوں۔

ان ابتدائی معاملات کے طے ہوجانے کے بعد موسیٰ وہرون کو حکم ہوا۔

فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک	سوتم دونوں (فرعون) کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ قائدوں کی جماعۃ دربار حکومت اور حکمران قوم کے ایوانوں میں پہونچکر سب سے پیشتر اپنی پوزیشن صاف صاف واضح کردے کہ ہم کون ہیں اور کیا ہیں؟ موسیٰ وہرون علیہما السلام کو حکم ہوا کہ جاتے ہی پہلے فرعون کو یہ بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ یعنی صاف صاف کہدو کہ ہم رسول ہیں اور فرستادۂ خدا ہوکر آئے ہیں یعنی ہم ازخود نہیں آئے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ ہم کسی اسرائیلی کی حیثیت سے قومیت کے جذبہ کے ماتحت نہیں آئے بلکہ دینی افراد کی حیثیت سے آئے ہیں۔ ہم مذہبی پیغام لیکر آئے ہیں اپنی کوئی رائے یا اپنی جماعۃ کی کوئی پاس کردہ تجویز پیش کرنے نہیں آئے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان قائدوں کا جو اوصاف مذکورہ سے متصف ہوں اولین

فرض یہ ہے کہ وہ ارباب حکومت اور حکمراں قوم سے ملتے وقت صفائی سے اپنی پوزیشن واضح کردیں کہ ہم مسلمان ہیں یعنی ہم بحیثیت ہندوستانی کے وطنی جذبہ سے نہیں آئے بلکہ بحیثیت مسلمان ہونے کے مذہبی جذبات سے آئے ہیں ہم اوّل وآخر مسلمان ہیں نہ کہ اوّل مسلمان اور پھر ہندوستانی۔ ہم مذہبی اشارات پر آئے ہیں نہ کہ آراء واختراعات پر۔ ہم ذاتی افکار وقیاسات سے کوئی پاس کردہ رزیولیوشن لیکر نہیں آئے بلکہ اُس مذہب کی دفعات لیکر آئے ہیں جو خدائے حاکم اور مالک الملوک کا بھیجا ہوا ہے اور جس کے آنا در کھنے کے تم بھی اپنی زبان سے مدعی ہو۔

اس صورت حال کا سب سے بڑا مفاد تو یہ ہوگا کہ ہماری پوزیشن وزنی اور مؤثر ہو جائے گی کیونکہ ترجمانی حق کی پوزیشن کا جو اثر مخاطبوں پر پڑسکتا ہے وہ خود ہماری اپنی بنائی ہوئی رسمی پوزیشن کا خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی نہیں پڑسکتا۔ کیونکہ اسلامی پوزیشن بے ساختہ اور قدرتی ہے اور غیر اسلامی پوزیشن بہرحال بنائی ہوئی ہے اور بہ تکلف اپنے اندر پیدا کیجاتی ہے اور وہ بھی اونہی غیروں کی نقالی سے جنکے سامنے ہم احتجاج کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مخاطب اس سے کسی عظمت و میلان کا اثر نہیں لے سکتے بلکہ تضحیک کا جو ہمارے لئے مفید ہونے کے بجائے مُضر اور سخت خطرناک ہے کہ اس میں ہوا خیزی ہے۔

نیز اسلامی اور خالص دینی پوزیشن لیکر جانے اور اوسے صاف لفظوں میں پہلے ہی واضح کر دینے کا دوسرا مفاد یہ بھی ہوگا کہ قیادت عامہ مخلوط نہ رہیگی بلکہ نکھر جائیگی اور قدرتی طور پر اس [illegible] کی قیادت اور دعوت لیکر وہی اُٹھ سکیں گے جو حقیقتاً اس پوزیشن کے اعلان کی قوۃ اور اہلیۃ رکھتے ہوں گے ہر کس وناکس کو اس کی جرأت نہ ہوگی کہ وہ پیغام بردار الٰہی بنکر اپنے یا اغیار کے پلیٹ فارم پر پیش ہو اور اس قیادت کی اہلیت صرف اونہی افراد میں پائی جاسکیگی جو دینی اور روحانی رنگ میں اوس پیغام کے اثبات وایضاح اور اوس کی طرف سے دفاع کی قدرت اور عملی ہمّت رکھتے ہونگے

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں ایک طالب علم یا علماء کا نام لیوا ہونے کی حیثیت سے کسی جماعتی تعصب سے کام لے رہا ہوں اور خواہ مخواہ علماء کی قیادت اور مطاعیت کا پروپگنڈہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ الزام اوسوقت صحیح ہوسکتا ہے کہ میں اُمّت کو علماء کی ذوات کا پابند ہوجانے کی دعوت دوں حالانکہ میری غرض علماء کی ذوات کی اطاعت پر مجبور کرنا نہیں اور نہ مجھے اس کا حق ہے بلکہ میں علماء حق کی زبان پر جاری شدہ قانون الٰہی کی اطاعۃ پر مجبور ہوجانے کی دعوت دے رہا ہوں اس صورت میں قیادت قانون الٰہی کی نکلتی ہے نہ کہ علماء کی مگر چونکہ قانون علماء ہی کی زبان سے مسموع ہوتا ہے اور کتاب الٰہی کی صحیح ترجمانی وہی کرسکتے ہیں اس لئے ضمناً اونکی اطاعۃ وقیادت

کی شکل آتی ہے مگر نہ بالذات بلکہ بالغیر ساتھ ہی تعصب کا الزام دینے والے اس پر بھی غور کریں کہ علماء کا کوئی مخصوص خاندان یا قبیلہ نہیں کہ دوسرے قبائل یا اوسی طرف جھکنے پر مجبور کیا جائے۔ علم الٰہی کا دروازہ ہر مسلمان کیلئے کھلا ہوا ہے اور ہر مسلمان ہر وقت عالم بن سکتا ہے پس اگر کسی غیر عالم کو کسی عالم کی اطاعت سے عار آئے تو اوس کا علاج یہ نہیں کہ قانون الٰہی کو رد کرنے لگے بلکہ یہ ہے کہ خود عالم بنکر قائدوں کی جماعت میں شامل ہو جائے اور قانون حق کی اطاعت کر کے دوسروں سے اطاعت کرائے۔ مگر بہر صورت مسلمان رہتے ہوئے قوانین الٰہی کی اطاعت کرنی ناگزیر ہے خواہ عالم ہو یا غیر عالم پس جہاں میں غیر علما کو پابندئ قانون الٰہی کی دعوت دے رہا ہوں وہیں وہ دعوت علماء کے لئے بھی ہے اس لئے تعصب کا الزام بے معنی ہوگا۔

(۱۵) یہاں سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جب موسیٰ و ہرون علیہما السلام بفحوائے انا رسولا ربک (ہم تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں) فرعون کے سامنے بحیثیت رسول کے پیش ہوئے نہ کہ بحیثیت اسرائیلی ہونے کے اور رسول مُربّی مخاطبین اور ناصح اقوام ہوتا ہے وہ جس طرح اپنی قوم کی گلوخلاصی چاہتا ہے اسی طرح مخاطب اقوام کی بہبود و فلاح کی فکر بھی ہمدردانہ کرتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جس طرح بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانے کے لئے فرعون کے پاس گئے اسی طرح خود فرعون اور فرعونیوں کی اصلاح و بہبودی اون کے پیش نظر تھی کیونکہ رسول کے معنی ہی مُربّی خلائق اور ناصح مشفق کے ہیں۔ تو اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ مسلمانوں کے جو قائد بحیثیت ترجمان رسالت حکومت کے سامنے پہونچیں وہ صرف اپنی ہی قوم کی گلوخلاصی پیش نظر نہ رکھیں بلکہ حکمران قوم کی اصلاح و بہبودی اون کے سامنے رہے وہ جس طرح پیغام الٰہی کے واسطہ سے وہاں پہونچیں اسی طرح اوس پیغام الٰہی سے خود اوس قوم کو بھی آشنا اور متأثر بنانے کی فکر کریں وہ صفائی سے مگر بحکمت یہ کہیں کہ ہم جس اسلام کو اور اوس کے واسطے مسلم قوم کو آزاد کرانے آئے ہیں اوسی اسلام کا تحفہ خود تمہارے لئے بھی لیکر آئے ہیں۔ مغلوب کا محارب کی صورت سے سامنے آنا اور اثر رکھتا ہے اور اپنی خیر جوئی کیساتھ مقابل کی اصلاح کا پیرایہ اختیار کرنا اور اثر رکھتا ہے۔

آج کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ حکمران قوم تک محکوم قوم کے پیغامات اور مطالبے یا پہونچتے ہی نہیں یا پہونچتے ہیں تو کورے سیاسی رنگ میں پہونچتے ہیں اور وہ سیاسی رنگ بھی خود حکمران قوم کا ہوتا ہے جس سے حکمرانوں پر اون مطالبات کی اصلی دینی حیثیت واضح ہی نہیں ہوتی اور کسی درجہ میں ہوتی بھی ہے تو صرف ادعاء کے رنگ میں نہ کہ کیفیت اور حال کے درجہ میں یا کم از کم استدلال کے درجہ میں جو اونہیں اس حیثیت میں متأثر کر سکے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مطالبات پہونچانے والے جو مسلمانوں کی نمائندگی کا

فخر اپنے قلوب میں محسوس کرتے ہیں نہ خود دین سے واقف ہوتے ہیں نہ دین کا کوئی رنگ اور حال و کیفیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس لئے مسلم قوم کے اصلی مزاج اور افتاد طبع کے مطابق وہ پیغام پہونچانے پر قادر ہی نہیں ہوتے بلکہ جیسے اور مختلف اقوام کی سیاسی پارٹیوں کے مطالبات رسمی طور پر حکومت کے کانوں تک پہونچتے رہتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے مطالبات بھی قومی اور سیاسی رنگ میں انگریزیت کیساتھ انگریز کے سامنے پہونچ جاتے ہیں جن میں کوئی حقیقی اسلامی رُوح نہیں ہوتی جو دوسروں کو متأثر کرے۔ پس جو لوگ حکومت کے کانوں تک قوم کا پیغام لیجاتے ہیں وہ دین سے ناآشنا اور انگریزی سے اوسی کی زبان میں بات چیت کرنے کے عادی اور ادھر جو لوگ دین سے واقف اور اوس کا رنگ ڈھنگ لئے ہوئے ہیں وہ انگریز کی زبان اور اوس کی ذہنیت سے ناواقف پھر اس پر سب سے بڑی مصیبت یہ کہ یہ دونوں طبقے ایک دوسرے سے بعید اور الگ تھلگ جنمیں باہم کوئی سنگم نہیں بلکہ ہے تو بے اعتمادی باہمی ہے اور اوسے بھی بڑھاتے رہنے کی کوششیں اپنوں اور اغیار کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں نہ کہ کم کرنے کی۔ ادھر ایسے جامع افراد مفقود ہیں جو دونوں رخوں کی پوری پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ اس لئے نتیجہ یہ ہے کہ قوم کا صحیح پیغام اپنے اصلی رنگ میں دنیاں حکومت کے سامنے نہیں پہونچتا۔

ہاں ان سب کا نعم البدل یہ ہے کہ علماء میں سے صرف وہ افراد جو عالم باللہ اور عالم بامر اللہ یعنی عارف ہوں روحانیت سے بھرپور ہوں باخدا ہوں اس پیغام کو لیکر اوٹھیں اور اپنے مخلصانہ اور بے غرضانہ رنگ میں بطرز انبیاء اس پیغام کو اپنوں اور متسلّط اقوام کے دلوں میں اوتارنے کا عزم باندھ لیں اور عامۂ علماء اون کے نقش قدم پر چلیں تو پھر وہ جس زبان میں بھی کہیں گے تاثیر نمایاں ہوگی دل معترف ہونگے خواہ زبانیں اعتراف کریں یا نہ کریں ؎

پارسی گو گرچہ تازی خوشتر است　|　عشق را خود صد زبان دیگر است
بوئے او دلبر چو پرّاں می شود　|　ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

پس اگر صحابہ کیطرح عرفاء اس میدان میں آجائیں اور استدلال کے بجائے حال سے کام لیں رسمیات کے بجائے حقائق استعمال میں آنے لگیں اور رسمی لوگ اونکی پیروی کریں تو زبانوں اور ذہنیتوں کی بحثیں ہی درمیان سے اوٹھ جائینگی لیکن یہ ضروری ہے کہ اس صورت میں تحریکات کا قالب اور ڈھانچہ کچھ بدلجائے گا اور رُوح بھی اوسمیں اوسی کے مناسب پیدا ہو جائیگی اور پھر یہ انداز حضرات صحابہ کی ساعی کا ہو جائیگا جس میں جذب و کشش باہمی بھی پیدا ہوگی۔ اور دشمنوں پر ہیبت بھی پڑیگی۔ بہرحال جب تک کسی اسلامی تحریک میں تبلیغی رنگ اور ناصحانہ و رحیمانہ انداز نہ ہو اور دین کو آگے بڑھا کر رسمیانہ انداز مغلوب نہ کیا جائے

اسلامی رنگ کا نتیجہ نہیں نکل سکتا مگر بمد حسرت کہ یا اب ایسے افراد عنقا ہیں یا سامنے نہیں ہیں یا اونکی پرسش نہیں ہے

(۱۶) پھر اس پیغام اور مطالبہ کا ابلاغ کیا ایک آدھ دفعہ کافی ہے۔؟ موسیٰ علیہ السلام نے اس تبلیغ میں برسہا برس گذارے اور مختلف اندازوں سے مدعا سمجھایا واضح کیا اور اوسے ثابت کر کے خدا کی طرف سے اتمام حجت کیا۔ اس تمر اور مسلسل مطالبہ و تبلیغ کا اثر یہ ہوا کہ حق مختلف جہتوں سے واضح ہو گیا منکر فرعون اور فرعونیوں پر خدا کی حجت تمام ہوتی گئی اور بالآخر پھر بھی اوس کے انکار و جحود پر خدا کی طرف سے تنبیہات اور عذابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ قحط سالیاں اور مال و دولت وغیرہ کی تباہیوں نے فرعون پر یہ واضح بھی کردیا کہ یہ ساری بلائیں ان شرعی اور خدائی مطالبات نہ ماننے ہی سے نازل ہو رہی ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے وقتاً فوقتاً اعتراف قصور کر کے فرعون دعاء اور معافی کا طالب بھی ہوا مگر ساتھ ہی چرچل کی پولیسی پر بھی چل رہا اور سارے ہی مطالبے ٹھکرا دیئے جس سے موسیٰ اور موسویوں کے صبر و استقلال میں فرق نہ پڑا اور اونکی مظلومیت سورج سے زیادہ نمایاں ہوگئی آخرکار قبطیوں اور سبطیوں دونوں کے اعمال کے مطابق نتائج دونوں کے سامنے آگئے۔ ضعیف قوم غلامی سے رہا ہو کر برسر اقتدار آئی اور قوی قوم غلامیٔ نفس میں گرفتار ہو کر دنیا و آخرت کی مصائب کا شکار ہوئی۔ قرآن حکیم نے اس سلسلہ کے واقعات کا جو جامع نقشہ کھینچا ہے اوسے ملاحظہ فرمایئے اور ترجمہ غور سے دیکھئے جو درحقیقت حاصل مطلب اور مختصر سی تفسیر ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین
ونقص من الثمرات لعلھم یذکرون
فاذا جاءتھم الحسنۃ قالوا لنا ھذہ
وان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسیٰ
ومن معہ الا انما طائرھم عند اللہ و
لکن اکثرھم لا یعلمون وقالوا مھما
تاتنا بہ من اٰیۃ لتسحرنا بھا فما نحن
لک بمؤمنین فارسلنا علیھم الطوفان
والجراد والقمل والضفادع
والدم اٰیات مفصلات
فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین
ولما وقع علیھم الرجز قالوا

اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری میں۔ تاکہ وہ سمجھ جاویں۔ سو جب ونپر خوشحالی آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہیے۔ اور اگر اونکو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور اُنکے ساتھیوں کی نحوست تلاتے یاد رکھو کہ اونکی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن اونمیں اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔ اور یوں کہتے کہ کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اوس کے ذریعہ ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ تو پھر ہم نے کثرت بارش کا طوفان بھیجا اوس سے گھبرا کے موسیٰ سے فرعونیوں نے عہد و پیمان کیا مگر طوفان کھلنے پر پھر اوسی انکار پر اڑے رہے تو ہم نے اونپر ٹڈیاں مسلط کیں (جو کھیتوں کو چاٹ گئیں پھر عہد و پیمان کئے مگر یہ بلا دور ہونے پر پھر بدستور

يٰموسى ادع لنا ربك
بما عهد عندك لئن
كشفت عنا الرجز لنؤمنن
لك ولنرسلن معك
بنى اسرائيل فلما
كشفنا عنهم الرجز
الى اجل هم بالغوه اذا هم
ينكثون فانتقمنا منهم
فاغرقناهم فى اليم بانهم
كذبوا باٰياتنا وكانوا
عنها غافلين۔
واورثنا القوم الذين
كانوا يستضعفون
مشارق الارض ومغاربها
التى باركنا فيها و
تمت كلمة ربك
الحسنى على بنى اسرائيل
بما صبروا ودمرنا
ما كان يصنع فرعون
وقومه وما كانوا
يعرشون۔

اوسی سرکشی پر جمے رہے تو ہم نے ہم (لائے ہوئے غلہ میں) گھن کا کیڑا پیدا کر دیا (پھر موسیٰ سے دعا کرائی اور یہ بلا دور ہوکر جب مطمئن ہوئے کہ اب غلہ پیسکر کھاوینگے تو ہم نے اون پر) مینڈک مسلط کئے (جو ہجوم کرکے کھانے اور برتنوں میں گرنا شروع ہوئے جس سے سب کھانا غارت ہونے لگا اور گھروں میں رہنا بھی مشکل ہوگیا۔ پھر پینا یوں مشکل ہوگیا کہ اونکا پانی) خون ہوجاتا۔ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔ اور جب اونپر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اوس نے آپسے عہد کر رکھا ہے۔ اگر آپ اس عذاب کو ہم سے اوٹھا دیں تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آوینگے اور بنی اسرائیل کو (آزاد کرکے) آپ کیساتھ کر دینگے پھر جب اون سے اوس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اوس تک اون کو پہونچنا تھا اوٹھا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے پھر ہم نے اون سے بدلہ لیا یعنی اونکو دریا میں غرق کر دیا اس سبب سے کہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور اون سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے۔

اور ہم نے اون لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اوس زمین کے پورب پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اون کے صبر (یعنی مصائب سے نہ گھبرانے اور احکام پر جمے رہنے) کی وجہ سے پورا ہوگیا اور ہم نے فرعون اور اوسکی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔

فرعون اور بنی اسرائیل کے معاملات کا یہ قرآنی نقشہ سامنے رکھئے اور پھر برطانیہ اور ہندوستان کے کمزور

غلاموں کے باہمی معاملات پر غور کیجئے جس درجہ میں بھی انہوں نے غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالنے میں مطالبات اور احتجاج سے کام لیا گو کہ وہ عشر عشیر بھی ابھی تک زیر عمل نہیں آیا اور نہ ہی کچھ پورے صحیح اسلوب پر پیش کیا گیا تاہم جس حد تک بھی کیا اور اوس میں قید و بند کی مصائب کو جھیل کر صبر و استقلال سے کام لیا گیا اوسی حد تک ظالم قوم پر حجۃ قائم ہو کر خدا کی طرف سے تنبیہات اور ظالم قوم کی طرف سے تھوڑا بہت مُڑ مُڑ کر دیکھنے اور کبھی کبھی جھک جانے کا ظہور ہوتا رہا گو ساتھ میں انکار وجحود بھی بدستور قائم رہا۔

گذشتہ جنگ عظیم اور موجودہ جنگ اعظم تنبیہات کا ایک سلسلہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ موجودہ جنگ کے ذریعہ فرعونی دور کی طرح حکمران قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں اور صنعت گاہوں کو وقتاً فوقتاً تباہ بھی کیا گیا ہے۔ اون کی اونچی اونچی سر بفلک عمارتیں زمیں بوس بھی کی گئی ہیں اون کے لاکھوں بڑوں اور چھوٹوں کو ملیا مُرد بھی کیا گیا اس سلسلہ میں جب کبھی شکست کا رُخ سامنے آتا ہے تو یہ قوم فوراً مڑ کر غلام ہندوستان کی طرف دیکھنے بھی لگتی ہے اور دفع الوقتی کے طور پر کچھ پالیمنٹری پارٹیاں آزادی ہند کا مسئلہ بھی چھیڑ دیتی ہیں ہندوستانیوں کی ہمدردی بھی حاصل کیجانے لگتی ہے۔ کبھی کرپس صاحب نمائشی آزادی کا کھلونا بھی لیکر ہندوستان کی طرف دوڑنے لگتے ہیں کبھی سیاسی اسیروں کی رہائی کا مسئلہ بھی زیر غور آجاتا ہے۔ کبھی ہندوستان کو طفل تسلی دینے کے لئے اونہیں اختتام جنگ پر کسی حد تک نام کی آزادی کے وعدے بھی دیدیئے جاتے ہیں لیکن جوں ہی شکست کا پہلو کمزور ہو کر فتحمندی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو پھر وہ سارے عہد و پیمان، سارے رُجوع ایسے کافور ہوجاتے ہیں کہ گویا کسی زبان وقلم پر کبھی آئے ہی نہ تھے اور وہی ایک چرچلی رٹ اور ہٹ سامنے رہ جاتی ہے۔ یعنی جب عذاب سامنے آتا ہے تو فرعونیوں کی طرح مظلوموں کی طرف دیکھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وَلَنُرْسِلَنَّ معك (ہم عنقریب آزادی دینے والے ہیں) اور جب وہ ایک تھوڑی سی مدت کے لئے سامنے سے ہٹ جاتا ہے اور یہ قوم اطمینان کا سانس لیتی ہے تو اذا ھم ینکثون پھروہی عہد شکنی اور انعاء مواعید۔ لیکن اس لیت ولعل اور ان حقیقت پوشیوں سے خدا کا آخری انتقام ٹلنے والا نہیں ہے ضرور بالضرور یہ ہو کر رہیگا کہ جو لوگ کمزور شمار کئے جارہے ہیں اونہی کو اس زمین کے پورب اور پچھم کا مالک بنایا جائیگا مکمل آزادی ظاہر ہو کر رہیگی اور جو قوت پر گھمنڈ کر کے کسی مطالبہ پر غور نہیں کرتے اون کے ساختہ پرداختہ کارخانے کلیتہً درہم برہم ہوں گے اون کی اونچی اونچی بلڈنگیں سرنگوں ہو رہینگی اور خدا کا نیک وعدہ کمزور اقوام کے حق میں پورا ہو کر رہیگا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ بشرطیکہ ان اقوام نے اسوۂ موسوی اور اسوۂ محمدی سے روگردانی نہ کی۔ اور وہ یہی کہ خدا کے بھروسہ پر اور اوس کے بتائے ہوئے رنگ ڈھنگ پر تبلیغ واحتجاج اور اظہار مطالبات میں ایک آدھ دفعہ پر قناعت نہ کیجائے

بلکہ موسوی انداز پر تسلسل کیساتھ یہ مساعی زور اور ہمت باطنی کیساتھ جاری رکھی جائیں غرض تبلیغ پیغام میں اگر تسلسل اور دوام پیدا ہو جائے اور مطالبات کا زور بندھا رہے اور اپنی قوم کی تعمیر بھی ممکنہ حد تک ہوتی رہے تو قدرتی طور پر اتمام حجۃ اور فیصلہ کن نتائج کی ایسی صورتیں سامنے آجائینگی جن کا فی الحال بظاہر اسباب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ علمائے حقانی کے بتلائے ہوئے قرآنی پروگرام پر چلنے سے پہلے ہی دن کامیابی سامنے آجائیگی یا ساری مشکلات اگلے ہی دن ختم ہو جائینگی یا مشاق و متاعب سے دوچار ہونا نہ پڑے گا لیکن یہ ضرور ہے کہ اوس پر صبر و استقلال کیساتھ جم جانے سے غیبی امداد ساتھ ہوگی اور نتائج یقینی اور قطعی ہوں گے اسوۂ موسوی میں اس حقیقت کو بھی دیکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا

قال موسیٰ لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔

(موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔ یہ زمین اللہ کی ہے جسکو چاہیں مالک بنا دیں اپنے بندوں میں سے اور اخیر کامیابی اونہی کو ہوتی ہے جو خدائے تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔)

اس پر قوم موسیٰ نے ذرا گھبرا کر بے صبری سے کہا جیسے آج بھی کمزوردل کے انسان کہنے لگتے ہیں

قالوا اوذینا من قبل ان تأتینا ومن بعد ما جئتنا۔

(قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری کے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی (یعنی آپ کی پیروی سے آخر نتیجہ کیا نکلا؟ غلامی بھی بدستور باقی ہے اور فرعونی چیرہ دستیاں بھی))

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

قال عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون۔

(موسیٰ نے فرمایا بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کریگے اور بجائے اون کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیگے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے۔ (یعنی ایسے کاموں میں جلد بازی نہ چاہیئے کام کئے جاؤ اور غیبی لطائف کے منتظر رہو))

پس آج بھی بنی اسرائیل کی طرح پیروئ نبوۃ کے سلسلہ میں ابلاغ عام اور مسلسل مطالبات اور ضروری جدوجہد کی طویل مدت سے نہ گھبرانا مناسب ہے۔ نہ تبلیغ کے تسلسل میں سستی دکھلانا مفید

وعدۂ الٰہی پر بھروسہ اور اس کے بوارح کی حیثیت سے جنگ آزادی میں حصہ لینا اور لیتے رہنا دینی انداز میں آگے بڑھنا۔ اپنی قوم کی گوشہ مالی کیساتھ ناقابل قوم کو خدا کا سچا پیغام موثر پیرایوں میں پہنچاتے رہنا ہی اصل مشن ہے جس پر وعدۂ الٰہی کے مطابق کامیابی یقینی ہے۔ دینی پیشواؤں کی قیادت میں آکر اگلے ہی دن یہ کہنے لگنا کہ اُوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا۔ آپ کی رہنمائی سے قبل بھی یہی مصائب تھیں اور آپ کی رہنمائی کے بعد بھی اون میں کچھ فرق نہ پڑا۔ منشاء نبوۃ کے بھی خلاف ہے اور فطری اسوۂ حسنہ (صبر و استقلال) کے بھی خلاف ہے۔ پس خدا پر بھروسہ کر کے اور رسمیات سے گذر کر حقائق کا دامن سنبھالتے ہوئے احتجاج تبلیغی اُسوہ اور تسلسل تبلیغ کی ضرورت ہے تاکہ اُمتِ اسلامیہ کا پیغام ہر کان میں گونج اوٹھے اور گونجتا رہے۔

آج ہم تبلیغی سلسلوں میں اگر سوچتے بھی ہیں تو صرف اسی حد تک کہ اپنی قوم کو تبلیغ مسائل کر کے اوس کی اصلاح کی فکر کریں اور بلاشبہ یہ بھی اہم فرائض میں سے ہے۔ یا کوئی اونچا قدم اوٹھاتے ہیں تو یہ یورپ و امریکہ میں ہمارے مبلغ پہونچنے چاہئیں اور کوئی شبہ نہیں کہ اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن کیا ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سارے یورپ و امریکہ کا خلاصہ جو ہندوستان اور اوس کی اقوام کو جونک بنکر چوس رہا ہے اور دیمک کی طرح چاٹ گیا ہے ہماری بدبختی سے ہندوستان ہی کے تختہ پر جمع ہے کیا وہ اس کا مستحق نہیں کہ اوس کے کان حقیقی انسانیت کے پیغام سے آشنا کئے جائیں تاکہ وہ خود بھی اس انسان نما حیوانیت کے دلدل سے باہر آئے اور اوسی کے واسطہ سے پھر پورا یورپ و امریکہ بھی متاثر ہو۔ کیا آج ہمیں ضرورت نہیں کہ جس اسلام کو ہم دنیا کا جامع ترین قانون سمجھتے ہیں اور جسے ہم محض دیانتی دین ہی نہیں بلکہ سیاسی دین بھی جانتے ہیں ہم اوسی شد و مد سے اوسے آج کی سیاست کے بنائے ہوئے اڈوں تک بھی پہونچائیں اور اُون ڈپلومیٹک دماغوں میں بھی اوسے اوتارنے کی کوشش کریں جنہوں نے دنیا کو فطری سیاست سے ہٹا کر عیاری اور فریب بازیوں کی مصنوعی اور مہلک سیاست کے کیچڑ میں پھانس دیا ہے؟

ضرورت ہے کہ ہماری سیاسی جماعتیں جہاں اپنی قوم کو سیاسی اوبھار دیں اور سیاسی جمود و تعطل کو دور کرنے کی فکر کریں وہیں ایک مستقل مشن اور مقصد کی حیثیت سے اونکا دائرۂ عمل یہ بھی ہو کہ قوم کے قابل افراد کرسیٔ حکومت پر بیٹھنے والوں کے کانوں کو نہ صرف مطالبۂ آزادی ہی سے بلکہ اس خدائی قانون سے بھی آشنا کرتے رہیں یعنی تبلیغ دین بھی کریں اور نہ صرف دس بیس دن بلکہ مطالبۂ آزادی اور احتجاج کے تسلسل کے ساتھ یہ پیغام رسانی بھی اوس وقت تک قائم رہے جب تک کہ ان مطالبوں

کے نتائج خاطر خواہ برآمد ہو جائیں۔

اگر مثلاً دس پانچ برس مسلسل طریق پر اسلام کے قانونی اور سیاسی پہلو اور اوس کی ساتھ دینی روحانی پیغام اخلاقی رنگ میں اون کے ذہن نشیں ڈالے جاتے رہے اور وہ اس تسلسل تبلیغ کے طبعی اثر سے دیانتدارانہ طور پر یہ سمجھ جائیں کہ امن عالم کا راز اسی قانون الٰہی کے اجزاء میں مخفی ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے، کہ خود حکمران قوم کے بہت سے فہیم افراد دل سے ہمارے ہمنوا بن جائیں؟ اور پھر وہ کام جو حکومت سے باہر رہ کر ہم انجام دے رہے تھے خود حکومت کے دفتروں سے انجام پانے لگے اور جو اُمور قومی پلیٹ فارم سے ہم بمشکل حکومت کے دل میں اوتار سکتے تھے وہ خود حکومت ہی کے اپنے اُمور بنجائیں۔ ہاں اگر اپنی ان تھک مساعی کے باوجود پھر بھی ایسا نہ ہو یعنی فرعونی حکومت کی طرح موجودہ حکومت کا انحراف و استکبار رہی بڑھتا ہے تو پھر یہ ہو کہ اس تسلسل پیغام رسانی سے من اللہ اتمام حجۃ ہو کر ایسی غیبی صورتیں نمودار ہوں کہ یہ قوم یا جھک جائے یا اوس کا کرّوفر یک لخت خاک میں ملجائے اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے اور اس وعدۂ الٰہی کا ظہور ہو جائے کہ:۔

فانتقمنا من الذین اجرموا و کان حقًّا علینا نصر المؤمنین (سورۂ روم) — سو ہم نے اون لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم ہوئے تھے اور ایمان والوں کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

لیکن یہ منصوبہ صرف اوسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ ترجمان ملت خود دینی اور اخلاقی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوں اون کے کردار اور رفتار و گفتار نیز وضع و قطع وغیرہ سے بندگی کے آثار نمایاں ہوں چہروں پر قلبی صداقت چمک رہی ہو اور زبان پر کلمات حق و حکمۃ جاری ہوں۔ وہ اپنے ظاہر سے فرشی ہوں اور باطن سے عرشی ہوں اور پھر اون کا دیا ہوا پیغام سیاسی اوتار چڑھاؤ ڈپلومیسی اور قول کے خلاف قلب کی مخفی اغراض لئے ہوئے ہونے کے بجائے واضح صداقت و حقانیت اور دیانت و للّٰہیت کا نشان لئے ہوئے ہو جسمیں واقعی طور پر اپنی اور ساری اقوام عالم کی سچی خیر خواہی ملحوظ خاطر ہو جیسا کہ اسوۂ موسوی سے ابھی واضح ہو چکا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کے پاس حصول آزادی کے لئے بھی جا رہے ہیں اور ساتھ ہی کمال روحانیت و تقدس کیسا تھ پیغام الٰہی خود فرعون کو بھی پہنچا رہے ہیں اور ربوبیت الٰہی سے آشنا بنا رہے ہیں اوس کے دلائل ذکر فرما رہے ہیں کہ ربنا الذی اعطیٰ کل شیئ خلقہٗ ثم ھدیٰ رسالت کی حقیقت سمجھا رہے ہیں پھر فرعون سے شفقتاً فرما رہے ہیں اور دلی خیر خواہی سے فرما رہے ہیں جس میں کسی رسمیت اور ضابطہ پُری کا ادنیٰ شائبہ نہیں پھر عنوان بیان میں کوئی ادنیٰ جابرانہ یا تحکمانہ انداز نہیں کہ:۔

هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ	کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے؟ اور میں تجھ کو تیرے رب کیطرف رہنمائی کروں تو تو ڈرنے لگے؟

ظاہر ہے کہ اس صاف وصریح اور مقدس طریق خطاب کا جو اسوۂ موسوی اسوۂ محمدی اور اسوۂ جمیع انبیاء ونا یان نبوۃ ہے جو قدرتی اثر عام صلاحیت مند قلوب پر پڑ سکتا ہے وہ ہمارے سیاسی اوتار چڑھاؤ کا کبھی نہیں پڑ سکتا کہ ان رسمی طریقوں میں دشمن ہم سے زیادہ ماہر اور زیادہ چالاک واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے

انکو لن تسعو هو باموالکو لکن تسعو هو باخلافکو	تم اقوام دنیا پر اپنے مالوں (یعنی مادی وسائل) سے غالب نہیں آسکتے البتہ اپنے اخلاق (یعنی معنویت) سے غالب آسکتے ہو۔

پس ایک شخص کی رائے یا ایک جماعت کی پاس کردہ تجویز پھر انفرادی واجتماعی ڈپلومیسی زیر بحث لائی جاسکتی ہے لیکن خدائی پیغام میں جو صاف وصریح ہو آسانی اور معقولیت سے کوئی بحث پیدا نہیں کیجا سکتی۔ آراء وقیاسات کے اختراع کردہ پروگراموں کے سلسلہ میں ایسے سرکاری افراد کھڑے کئے جاسکتے ہیں جو ان تجاویز میں بحثیں اوٹھانے اور اونہیں رلانے کے لئے اپنی دماغی قابلیتیں جو اسی دن کے لئے اون میں پیدا کی جاتی ہیں صرف کریں یا اون کے خلاف مطالبات لے آئیں تاکہ حکومت کو گریز کے لئے سہارا ملجائے لیکن مذہب کے صاف وصریح پیغام کا جبکہ وہ ہمہ گیر اصلاحی رنگ اور روحانیت لئے ہوئے ہو ان رسمی افراد سے معارضہ کرایا جانا آسانی سے ممکن نہیں۔

ہاں اس صورت میں یہ ضرور ممکن ہے کہ استبدادی شان سے سرے سے پیغام ہی رد کر دیا جائے اور فرعون کی طرح موسیٰ صفت افراد کو یہ کہکر سامنے سے ہٹا دیا جائے کہ وانی لاظنہ من الکذبین (میں تو موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں) یا فرعون کی طرح یہ کہکر آزادی خواہوں کو دھمکا دیا جائے کہ لاجعلنك من المسجونین (ہم تمہیں جیل بھیجدیں گے)۔ یا یوں کہدیا جائے کہ ولاصلبنکم فی جذوع النخل (تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر پھانسی لگوادیں گے) یا یہ دھمکی دی جائے کہ سنقتل ابناءھم ونستحیی نساءھم وانا فوقهم قاھرون (ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کردیگے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دینگے کیونکہ ہم کو ہر طرح کا غلبہ حاصل ہے) یہ سب کہا جا سکتا ہے اور کہا گیا اور کیا گیا لیکن حقیقی حجۃ کو حجۃ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس صورت سے پیغام کی جڑیں اور مضبوط ہوتی ہیں اور مخاطب قوم کی جڑیں غیر محسوس طریق پر کھوکھلی ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ فرعون نے اگر مذکورہ دھمکیاں دیں تو اس سے خدائی پیغام یا پیغام لیجانے والے کا سر کب نیچا ہوا؟ بلکہ یہ ساری شکست

ومغلوبیت آخر کار اوسی فرعون کے حصہ میں آئی جو قہر وغلبہ کا دعویدار تھا۔

پس اگر آج بھی اُمتہ اسلامیہ کا پیغام اوس کے قائد موسیٰ صفت بنکر فرعونانِ وقت کے پاس لیجائیں اور لے جاتے رہیں تو یہ ممکن ہے کہ اونہیں جیل۔ پھانسی۔ قتل وغیرہ کی دھمکیاں دیجائیں لیکن اس سے خدائی پیغام اور پیغامبروں کا سر نیچا نہیں ہوسکتا اور نہ پیغام میں کوئی معقول حجۃ نکالی جاسکتی ہے بلکہ یہ اُمت کی جیت اور اون کے دشمنوں کی کھلی ہار ہوگی جس سے غیبی نتائج کا برملا ظہور ہوگا اور یہ حقیقت کھُل جائیگی کہ:۔

فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون۔ فغلبوا ھنالك وانقلبوا صاغرین۔	پس حق ظاہر ہوگیا اور اُونہوں نے جو کچھ بنایا تھا سب اکارت گیا۔ پس وہ لوگ ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عدم تشدد کی جنگ کے سلسلہ میں سب سے بڑا ہتیار مطالبۂ آزادی کیساتھ مخاطب قوم کو پیغامِ حق مسلسل طریق پر پہونچاتے رہنا اور مقابل کی بھبکیوں اور دھمکیوں اور ہم چشموں کے استہزاء وتمسخر سے بے نیاز ہوکر نبوی رنگ میں ہدایت دیتے رہنا ہے جس کے نتائج قطعی موعودہ حق ہیں اور ساتھ ہی نصرتِ غیبی یقینی ہے۔

بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو رسول الٰہی بتلاکر تعارف کرانے اور اپنی پوزیشن واضح کردینے کے بعد فرعون کو اولین پیغام یہ پہونچایا کہ

فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم	(اے فرعون) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کردے (اونہیں آزاد کر) اور اونہیں ستامت۔

(۷) اس سے صاف واضح ہے کہ اسلام کی محکوم قوم کو حکمران قوم کے سامنے مکمل آزادی کا مطالبہ پیش کرنا اور غلامی کے بدترین عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا فرض ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے آزاد کرانے کے لئے ہی اللہ نے ایک اولو العزم پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے فرعون کے بھرے دربار میں پہونچکر یہ مطالبہ صاف وصریح الفاظ میں پیش کیا جیسا کہ اسکی تفصیل عرض کیجاچکی ہے

(۸) اس موقعہ پر ایک نکتہ اور سمجھ لینا چاہیئے اور وہ یہ کہ اس قومی استخلاص یعنی بنی اسرائیل کے آزاد کرانے کی غرض کوئی وطنی یا قومیت کی آزادی نہ تھی بلکہ مذہب کی آزادی تھی قوم کو بھی آزاد کرانا تھا تو مذہب ہی کی آزادی کے لئے۔ بالفاظ دیگر اس آزادی سے کوئی دنیوی ترفہ یا لذائذ دنیا کی تحصیل وتکمیل یا کسی قسم کا رسمی جاہ ومنصب مقصود نہ تھا کیونکہ اوّل تو حصول آزادی کے لئے

پیغمبر کا انتخاب کیا گیا اور ظاہر ہے کہ پیغمبر سر تا پا دین ہوتا ہے اوس کے افعال بھی دین اور اون کی غرض وغایت بھی دین۔ اس لئے پیغمبر کا آزادی مانگنا دنیوی اغراض کی خاطر قیامت تک نہیں ہوسکتا اسکو عنوان آیت سے یوں سمجھئے کہ اِنَّا رسولا ربك فأرسل معنا بنی اِسرائیل میں ارسال بنی اسرائیل کو دعوائے رسالت پر بذریعۂ فا کے متفرع فرمایا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ میں پیغمبر ہوں اس لئے مکمل آزادی کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اس سے واضح ہوا کہ مطالبۂ آزادی کا منشاء پیغمبری ہے اور ظاہر ہے کہ بحیثیت پیغمبر ہونے کے وہی آزادی طلب کیجا سکتی تھی جو پیغمبری کیساتھ جمع ہوسکے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیوی آزادی یعنی آزاد ہو کر متاع دنیا سے آزادانہ انتفاع حظوظ دنیا کی ہوسناکیاں تعیش اور ترفہ وغیرہ کی آزادی پیغمبری کیساتھ کبھی جمع نہیں ہوسکتی اس لئے پیغمبر ایسی آزادی کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔ اس سے یہ مسئلہ صاف نکل آتا ہے کہ اسلام میں حصول آزادی کی غرض وغایت نہ روٹی ہے نہ مال و منال اگر آج ہم اپنے اسٹیجوں سے روٹی اور معاشی رفاہیت کی خسیس اغراض لیکر اوٹھیں اور انہی فانی اور چند روزہ بہاروں کی کمزور بنیادوں پر اپنی مساعی کی عمارتیں کھڑی کرنے لگیں تو وہ دن دور نہیں ہے کہ ہمیں اس بے جڑ تعمیر سے نادم ہونا پڑیگا اور ہم عیاذاً باللہ اس کے مصداق ٹھہرینگے کہ الذین ضل سعیهم فی الحیوۃ الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعاً۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے استخلاص قوم کی مساعی کا آغاز تبلیغ دین سے شروع کیا ربوبیت و رسالت کا بیچ لا کر آزادی کا مطالبہ کیا گویا غم و غصہ اس کا نہ تھا کہ ہماری دنیا آزاد نہیں بلکہ اس کا تھا کہ دین آزاد نہیں ربوبیت و رسالۃ کے شعائر بلند نہیں ہیں۔ ربوبیت و رسالت کے منکر دنیا پر غالب آگئے اونہوں نے لادینی کا فساد دنیا میں برپا کردیا جس سے دنیا مادیت کی خسیس اغراض میں پڑ کر سرکشی اور بغاوت حق میں مبتلا ہوگئی ادھر ان دونوں دینی بنیادوں کے ماننے والے مغلوب ہوگئے جس سے دیانت و امانت بے کس ہوگئی اور وہ دیانت کے احکام کو دنیا میں پھیلانے سے عاجز رہ گئے اور دین کے اجراء میں دست و پابستہ ہوگئے ہیں۔ پس یہ شکایت نہ تھی کہ ہماری دنیوی راحت و آرام یا روٹی اور رہائش میں فرق پڑ گیا ہے۔ ہمیں کوٹھی اور بنگلے میسر نہیں رہے ہمارے گھروں پر موٹر کاریں کھڑی ہوئی دکھلائی نہیں دیتیں یا ہم اقلیت میں ہیں اور اکثریت ہمیں فنا کردیگی۔ یا ہماری توہین ہو رہی ہے اور عزت وجاہ دوسروں کے حصے میں آگئی ہے بلکہ شکایت فی الحقیقت صرف دیانت کے مغلوب ہوجانے اور آزاد نہ رہنے کی تھی اور جس حد تک اکثریت کی طلب یا عزت وجاہ کی طلب یا غلبۂ و اقتدار کی طلب تھی وہ بھی صرف غلبۂ دین کی خاطر تھی ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو تو مشاغل دنیا کے انہماک

کی وجہ سے عذاب خداوندی سے ڈراتے اور پھر خود ہی اپنے مطالبۂ آزادی کی غرض و غایت وہی شغل دینا قرار دیتے یعنی عبادۃ باللہ۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے مطالبۂ آزادی کا حاصل یہ ہوا کہ فرعون اپنے کلمہ توحید پرست نہیں اس لئے بیگری ماتحتی میں بنی اسرائیل بھی خدا پرست نہیں رہ سکتے۔ نہ اون کا شرعی علم باقی رہ سکتا ہے نہ اونکی روایات مذہب قائم رہ سکتی ہیں نہ اون کے عملی شعائر بلند ہو سکتے ہیں نہ اون کے مادی وسائل باقی رہ سکتے ہیں جو تقویۃ دین میں استعمال ہوں اس لئے بنی اسرائیل کو آزاد کرادو میری ساتھ کردے تاکہ میں اونہیں خدا پرستی کی راہ پر پختہ کرسکوں اور تو بھی اپنے رب اور اوسکے فرستادہ رسول کو پہچان اور مان۔

اس سے صاف واضح ہوا کہ مسلمانوں کے مطالبۂ آزادی میں شکایت دنیا یا مصائب دنیا یا قلیت واکثریۃ کی بحثیں یا روٹی اور بوٹی کے مقاصد کا دخل نہ آنا چاہیئے۔ اگر یہ باتیں آئیں بھی تو غلبۂ دین کے وسائل کی حیثیت سے نہ کہ مقاصد کے درجہ میں۔

پس مسلمانان ہندوستان کو صاف وصریح الفاظ میں مطالبۂ آزادی مذہبی آزادی کے نام پر کرنا چاہئے۔ اون کے نزدیک مصائب دین اہم ہونی چاہئیں نہ کہ مصائب دنیا کہ وہ دینی مصائب زائل ہونے پر خود بخود زائل ہو جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اغیار کے تسلط واقتدار کو اگر ہولناک ٹھہرایا ہے تو وہ دینی مصائب کی وجہ سے نہ کہ دنیوی مصائب کی بنا پر چنانچہ ذیل کی دعاء نبوی میں گو اقلیت واکثریۃ اکرام وتوہین اور غلبہ ومغلوبیت کا ذکر ہے مگر مقصود اولین مصائب دین کے ازالہ کو قرار دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ ان ساری دنیوی مصائب کو بھی اگر تکلیف دہ سمجھا ہے تو دین کی خاطر نہ کہ دنیا کی خاطر۔ ارشاد نبوی ہے:۔

رب لاتجعل مصیبتنا فی دیننا ولاتجعل الدنیا اکبر ہمنا ولامبلغ علمنا ولاغایۃ رغبتنا ولاتسلط علینا من لایرحمنا۔	اے پروردگار ہمارے دین میں مصیبت نہ ڈال اور دنیا کو ہمارا اہم مقصود نہ بنا اور نہ اوسے ہمارا مبلغ علم بنا دکہ اوس کی مادی اکتشافات واختراعات اور دنیوی زندگی کے جوڑ توڑ ہی کو سب سے بڑا علم سمجھنے لگیں) اور نہ ہماری رغبتوں کی آخری حد دنیا کو کر۔ اور ہم پر کسی ایسے کو مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کھائے
اللھم زدنا ولاتنقصنا واکرمنا ولاتھنا واثرنا ولاتؤثر علینا۔	اے اللہ ہماری تعداد زیادہ کر کم نہ کر۔ ہمیں اکرام نصیب فرما۔ توہین سے بچا۔ ہمیں غالب کر مغلوب نہ کر۔

ذیل کی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ روٹی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور فقر وفاقہ

کوئی مصیبت نہیں اصلی مصیبت یہ ہے کہ دنیا کے دروازے کھلکر دین ضائع ہوجائے۔ ارشاد نبوی ہے۔

واللہ ما اخشی علیکم الفقر ولکن مما اخشی علیکم من بعدی زھرۃ الدنیا تفتح علیکم فتھلککم کما اھلکتھم

خدا کی قسم مجھے تمہارے فقر و فاقہ کا کوئی ڈر نہیں لیکن جو چیز مجھے اپنے بعد خائف بنارہی ہے وہ دنیا کی سرسبزیاں ہیں جو تم پر کھلینگی اور تمہیں اسی طرح ہلاک کرینگی جس طرح پچھلی اقوام کو اونہوں نے ہلاک کیا۔ (اور جیسے آج کی قوموں کو برباد کر رہی ہے)

اس حقیقت کو حضورؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ظاہر فرمایا جبکہ ایلاء کے موقعہ پر آپ ایک ماہ تک خانہ نشین رہے ہیں اور حضرت عمرؓ نے حاضر ہوکر دیکھا کہ بیت نبوۃ میں کل سامان ایک چمڑے کا مشکیزہ ہے جس میں کچھ شہد ہے اور ایک چٹائی ہے جس پر حضور آرام فرما ہیں اور اس کی بدھیاں بدن مبارک پر ابھر آئی ہیں تو آزردہ ہوکر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ قیصر و کسریٰ دشمنان حق تو نرم نرم گدیلوں پر آرام کریں اور اللہ کے رسول کو چارپائی بھی میسر نہ ہو۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں پر کشائش فرمائے تو حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خطاب فرماتے ہوئے تنبیہ کے طور پر فرمایا۔

افی شک انت یا ابن الخطاب؟ ھؤلاء الذین عجلت لھم طیباتھم فی الحیوۃ الدنیا ولا خلاق لھم فی الآخرۃ۔

اے خطاب کے بیٹے کیا تو ابھی تک شک میں پڑا ہوا ہے؟ یہ قیصر و کسریٰ، تو وہ لوگ ہیں جنکی نعمتیں دنیا ہی میں دیکر ختم کردی گئی ہیں اور آخرت میں اون کے لئے کوئی حصہ نہیں (کیا یہ بھی اس قابل ہیں کہ ان پر رشک کیا جائے)

اہل اللہ چونکہ وارثان نبوۃ ہوتے ہیں اس لئے اون پر بھی انبیاء کی یہ شان غالب ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو جب مکہ کے حرم محترم میں برطانیہ کے کارندوں نے اسیر کیا اور گرفتاری کا پروانہ دیا گیا تو فرمایا الحمدللہ کہ بہ مصیبتے گرفتار آمدم نہ بہ معصیتے۔ (خدا کا شکر ہے کہ میں مصیبت میں گرفتار ہوا نہ کہ معصیت میں) جس سے واضح ہے کہ معصیت ہی دینی مصیبت ہے اس لئے اوس میں مبتلا نہ ہونے پر شکر الٰہی ادا فرمایا اس سے نمایاں ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک دنیا کی مصیبت کوئی چیز نہیں نہ کوئی قابل شکایت امر ہے کہ یہ تغیرات دنیا ہیں اور منجانب اللہ بنی آدم کی ہی مصالح کے لئے بھیجی جاتی ہیں کبھی اون سے کفارۂ سیئات مقصود ہوتا ہے اور کبھی ترقی درجات۔ اہم مصیبت دینی مصیبت ہے۔ اور دینی مصیبتوں کا انتہائی اور جامع درجہ یہ ہے کہ دین آزاد نہ رہے اور دیندار غلامی میں مبتلا ہوکر شعائر دین کو آزادانہ برپا نہ کرسکیں۔

پس آج بھی جبکہ ہندوستان میں دین آزاد نہیں اوس کے شعائر کو مسلمان خاطر خواہ قائم نہیں کرسکتے

نہ اپنے اختیار سے شعائرِ دین کو بلند کر سکتے ہیں تو آیت بالا کی رُو سے حسب اسوۂ موسوی اون کا اسلامی فرض ہو کہ مکمل آزادی کی جدوجہد کریں مگر دین کے لئے کریں دین کے نام پر کریں دینی رنگ میں کریں دینی افراد کے ذریعہ کریں عام افراد میں دین اور دین کی اہمیت کے جذبات پیدا کریں کہ مطالبۂ آزادی کی غرض و غایت ہی اسلام میں دین کی آزادی ہے جس پر دنیا کی آزادی بطور خاصیت کے خود بخود مترتب ہوتی ہے چنانچہ اسلام میں حصولِ آزادی کے دو ہی راستے ہیں۔ جہاد اور ہجرۃ۔ پھر ان دونوں کے دو دو فرد ہیں جہاد بالسنان یعنی اسلحہ سے جنگ کرنا اور جہاد باللسان یعنی کلمۂ حق ظالم بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینا۔ ایسے ہی ہجرۃ کے بھی دو ہی فرد ہیں ایک ہجرۃ مکانی یعنی دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہو جانا اور دوسرے ہجرۃ ارکانی یعنی معاصی چھوڑنا اور موطن طبیعت سے منتقل ہو کر موطن شریعت میں جانا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں اُمور جہاد اور ہجرۃ میں سے کسی ایک کی غرض و غایت بھی روٹی یا منافع دنیا یا رفاہیت و تنعم یا سلطنت نہیں بلکہ صرف دین کی آزادی اور برتری کا قیام ہے۔ جہاد کی غرض تو واضح ہی ہے کہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہے جیسا کہ کتاب و سنۃ کی سیکڑوں تصریحات اس بارہ میں موجود ہیں۔ ہجرۃ بھی کبھی اس لئے نہیں کی گئی کہ لوگوں پر وسائل معاش تنگ ہو گئے تھے اور اُنکی روٹیوں میں گھاٹا آنے لگا تھا تو اونہیں دارالکفر ترک کر دینے کا حکم ملا ہو بلکہ صرف اس لئے کہ اون کے دین پر مصیبت آنے لگی تھی چنانچہ اوائل اسلام میں دو ہی ہجرتیں ہوئی ہیں۔ ہجرتِ حبشہ اور ہجرت مدینہ مگر دونوں کی غرض مشترک تحفظ دین تھی نہ کہ تحفظ معاش چنانچہ ہجرۃ مدینہ میں چونکہ یہ غرض زیادہ عُلو مرتبہ کیساتھ نمایاں ہوئی اس لئے ہجرۃ مدینہ ہجرۃ حبشہ سے افضل ثابت ہوتی ہے کیونکہ ہجرۃ حبشہ میں تو مہاجرین کو صرف اپنا دین محفوظ کرنا تھا اور اوس کی صورت فرار عن الفتن کی تھی۔ یعنی دین میں فتنہ مخل ہوتا تھا تو جائے فتنہ کو چھوڑ دیا گیا تاکہ دین محفوظ رہجائے۔ اور ہجرۃ مدینہ میں نصرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کی شوکت کا مقصد سامنے تھا یعنی محض اپنا دین بچالیجانا ہی مقصود نہ تھا بلکہ شوکت کیساتھ دوسروں تک دین کی منادی اور تبلیغ کر دینا بھی مقصود تھا بلحاظ مقصد دونوں ہجرتیں محمود و مستحسن تھیں کہ محض اپنا دین محفوظ رکھ لینے کی خاطر دارالکفر کو چھوڑنا بھی عین دین ہے اور دین کو سربلند کرنا بھی دین ہے لیکن پہلی صورت میں ایک حد تک اپنے ضعف اور کمزوری کا اعلان بھی ہے جس کو براہ راست اعلاء کلمۃ اللہ نہیں کہہ سکتے اور دوسری صورت میں نصرت نبی کی خاطر گھر بار چھوڑنا ہے جو بلاواسطہ اعلاء دین ہے اس لئے یقیناً ہجرۃ مدینہ ہجرتِ حبشہ سے افضل ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت حبشہ صرف صحابہ نے کی اور ہجرت مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک رہے اور یہی وجہ ہے کہ ہجرت کا اغاز بو کر

تب اور کیا تھا علی الاطلاق ہجرت مدینہ ہی سمجھی جاتی ہے کہ وہی ہجرت کا فرد کامل ہے غرض کوئی سی بھی ہجرت لیجائے کسی ایک کا مقصد بھی تنگی معاش سے بچنا یا مصائب دنیا سے تنگ آکر گھر چھوڑنا نہ تھا اور کسی حد تک یہ چیزیں اگر پیش نظر بھی ہوئیں تو صرف دین کی غرض سے ہوئیں اس لئے ہجرتین کا مقصد بھی آخر کار وہی اعلاء کلمۃ اللہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے ہجرت فرماتے ہوئے اس کا کوئی افسوس ظاہر نہیں فرمایا کہ میرا آبائی وطن اور جدی گھر مجھ سے چھوٹ رہا ہے۔ عزیز و اقربا چھوٹ رہے ہیں مانوس سرزمین چھوٹ رہی ہے بلکہ بیت اللہ کو حسرت سے دیکھکر یہ فرمایا کہ اگر میری قوم مجھے وطن سے نکال نہ دیتی تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا جس سے واضح ہے کہ ہجرت کے سلسلہ میں نہ حضور کو وطن پیش نظر تھا نہ قبیلہ و خاندان بلکہ اللہ اور بیت اللہ تھا اور اگر مکہ کا شہر یا ملک حجاز اور قوم بھی اگر کسی درجہ میں نگاہوں کے سامنے تھی تو وہ اللہ اور ذکر اللہ یعنی دین اور اعلاء دین ہی کے لئے تھی نہ کہ براہ راست اور بالذات۔

خلاصہ یہ کہ جہاد اور ہجرت حسی ہوں یا معنوی اور ان کا کوئی سا بھی فرد ہو صرف اس بناء پر عمل میں آئے ہیں کہ لادین قومیں جمعہ و جماعات، تبلیغ و موعظۃ، اقامۃ حدود اور سد ثغور وغیرہ میں حارج ہوئیں اور دین کے سربلند ہونے میں آڑے آئیں نہ اس لئے کہ وسائل معاش کی تنگی روٹی اور کپڑے کی گرانی عیش و لذت اور راحت کی کمی اور اس کی تحصیل و تکمیل میں فرق آگیا تھا اور اس سے بچنا مقصود تھا۔ اگر اس سے بچنا مقصود ہوتا تو اسلام میں فقر و فاقہ اور خشونت عیش کے فضائل ہی کیوں بیان کئے جاتے۔

اس لئے آج جو جہاد اکبر یعنی اعلاء کلمۂ حق اور کلمۃ حق عند سلطان جائر کا مقصد لیکر مسلمان کھڑے ہوں اور کھڑے ہیں تو اس میں بھی ایک لمحہ کے لئے ان کے قلوب میں شکایت معاش یا شکایت ترفہ و تنعم پیش نظر نہ ہے صرف تحفظ دین اور اعلاء کلمۂ حق ملحوظ رہنا چاہیئے اور وہی ساری جدوجہد کی غرض و غایت ہو جسے غیر مشتبہ الفاظ میں واضح بھی کر دیا جائے پھر ایسے ہی تدابیر کے سلسلہ میں قلت و اکثریت یا اہانت و تکریم کا سوال پیدا نہ ہونا چاہیئے یعنی ان رسمیات سے مغلوب نہ ہونا چاہیئے بلکہ ان پر غالب آنا چاہیئے جس انداز سے بھی ممکن ہو جیسا کہ آیت بالا کے اشارہ اور نصوص حدیث سے واضح کر دیا گیا ہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی دربار میں جو کچھ بھی نیابت الٰہی میں ارشاد فرمایا وہ حجۃ و دلیل سے فرمایا اور اپنی رسالت پر خدا کی آیات پیش کیں یعنی معجزے دکھلائے عصاء موسوی دکھلائی جو لاٹھی سے سانپ اور سانپ سے لاٹھی بنجاتی تھی۔ ید بیضاء دکھلایا جو گریبان میں ڈالنے سے سورج کی طرح روشن ہو جاتا تھا

اور پھر اصلی حالت پر لوٹ آتا تھا جس کی جوابدہی سے فرعون عاجز ہوا اور اس کے سوا اوسے کچھ بھی جواب نہ بن پڑا کہ موسیٰ علیہ السلام پر جادوگری کا الزام لگائے۔ چنانچہ یہی کیا اور ملک کے جادوگر جمع کر کے مقابلہ کرایا۔

اور اونہوں نے بھی اس لاٹھی کے سانپ کی شکل کے ہزارہا سانپ جادو کے زور سے چلائے مگر چونکہ اون میں حقیقت کچھ نہ تھی وہ محض صورتیں تھیں اور عصاء موسوی معجزہ تھا جس میں صورت کے مناسب کامل حقیقت بھی تھی اس لئے جادوگر سب کے سب عاجز ہو گئے اور اونہیں تسلیم و رضا کے سوا چارہ نہ رہا۔

(۱۹) اس سے صاف واضح ہوا کہ آج بھی جبکہ استخلاص قوم کے لئے متسلط اقوام کے حلقوں میں قائدین اسلام جائیں تو ہر دعوے کیساتھ حجۃ بھی پیش کریں اور وہ بھی معجزہ کی تاکہ مخاطب قومیں اوس کے ماننے پر عقلاً مجبور ہو جائیں اور جواب نہ لاسکیں۔ فرق اتنا ہے کہ فرعون کے سامنے معجزۂ موسوی پیش کیا گیا تھا جو لاٹھی کا تھا اور فرعونانِ وقت کے سامنے معجزۂ محمدی پیش کرنا چاہیئے جو کہ قرآن ہے اور تمام دلائل و براہین کا مجموعہ ہے تبیاناً لکل شیئٍ وھدًی ورحمۃً کیونکہ فرعون کا رنگ حاکمانہ تھا تو وہ لاٹھی ہی سے قائل ہو سکتا تھا اور فرعونانِ وقت کا رنگ حکیمانہ ہے تو وہ علم و حکمۃ ہی سے قائل ہو سکتے ہیں۔

فرعون نے اپنے ملکی جادوگروں کو تقرب درباری کرسی اور انعام و اکرام کے وعدوں کیساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ڈالکر عصاء موسوی کے سانپ کے ہم شبیہ لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنوائے مگر وہ محض تخیلاتی تھے۔

فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ انھا تسعیٰ

بس یکایک اون (جادوگروں) کی رسیاں اور لاٹھیاں (خوشنما کی صورت میں) اونکی نظر بندی سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے چلتی دوڑتی ہوں۔

اس لئے یہ سب کید و مکر ختم ہو گیا اور سارے سانپوں کو موسوی اژدہا نگل گیا معجزہ کے سامنے سب جادوگروں نے سپریں ڈالدیں۔

بعینہ آج بھی یہی صورت ہوگی کہ جب فرعونانِ وقت کے سامنے معجزۂ محمدی (قرآن) کے دلائل و براہین پیش کئے جائیں گے یا پیش کئے گئے ہیں تو اونہوں نے اسی ملک کے جاہل مولویوں مگر جادو بیان لیکچراروں کو کھڑا کر دیا کہ وہ مضامین قرآن ہی کے ہم شبیہ مضامین اور اوسی کے استنباطات کے مشابہ وجوہ مستنبطہ پیش کر کے تلبیس ابلیس کریں جس پر اون کے لئے انعام و اکرام اور ہر قسم کی سرکاری رعایتوں کے وعدے ہوتے ہیں۔ مخفی نالیوں سے اس روپیہ کا یہ گندہ پانی اون کے گھروں میں بہتا ہوا پہونچتا رہتا ہے ان ائمہ مضلین سے فرقے بنتے ہیں وہ کتاب و سنت ہی کے نام پر اہل حق کے مقابلہ پر آتے ہیں اور عصاء قرآنی کے مشابہ ہزارہا علمی (لاٹھیاں) تخیلاتی سانپ بنا بنا کر میدان میں پھینکتے ہیں۔ ہزاروں ٹریکٹ

رسالے اور تفسیریں قرآنی تفسیروں اور فقہیات کے مشابہ سامنے آتی ہیں حتی کہ نبیِّ قرآن کی طرح انبیاء بھی کھڑے کردیئے جاتے ہیں جو اہل حق کو کذاب و مبطل کہکر اپنی گورنمنٹ کے بارہ میں دعوے کرتے ہیں کہ ہماری بعثت ہی اس حکومت کی حمایت کے لئے ہوئی ہے ہم اگر اوس کے فضائل بیان کریں تو پچاس الماریاں بھر جائیں۔ کوئی کہتا ہے کہ قرآن میں مومن قانت متقی وغیرہ کے الفاظ کا مصداق ہی موجودہ گورنمنٹ کے افراد واجزاء ہیں ان جادوگروں اور اون کی میدان میں ڈالی ہوئی ان لاٹھیوں اور سانپوں سے جو اہل حق کے خیال میں کبھی کبھی چلتی اور دوڑتی دکھلائی دینے لگتی ہیں مسلمانوں میں خیالات کا تشتت اور تفرق پیدا ہوتا ہے اونکی دلجمعی خاک میں ملکر قوت منتشر ہوجاتی ہے اور حکمرانوں کو اطمینان ہوجاتا ہے کہ حکومت کے قدم کچھ اور جم گئے۔ لیکن جب یہ ثعبانِ قرآنی اپنی پوری شان کیساتھ کسی موسیٰ صفت عالم کے ہاتھ پر نمایاں ہوتا ہے تو بالآخران سارے سانپوں کو نگل لیتا ہے اور فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون کا ظہور ہوجاتا ہے اور [illegible] کبھی [illegible] ان لیکچرار گورنمنٹ سے کٹ کر حق کے سامنے سر بھی جھکا دیتے ہیں۔ اور اعلان کردیتے ہیں کہ ہم [illegible] طی اور تلبیس میں پھنسے ہوئے تھے۔ آمنّا بربِّ ھٰرُون وموسیٰ جس سے اس قسم [illegible] سیات کا آئے دن پردہ چاک ہوتا رہتا ہے بہرحال مقصد یہ ہے کہ آزادی خواہ طبقہ جو مطالبہ اور جو نصیحت بھی فرعونی درباروں میں پیش کرے حجۃ وبرہان یعنی احادیث اور آیات قرآن سے پیش کرے۔ دینی رنگ میں پیش کرے۔ سلف کے انداز میں پیش کرے۔ اوس کے تمسک واستدلال کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہونی چاہیئے کہ اوس کے ہر ہر جملہ کی دلیل کتاب وسنت ہو تاکہ اوس کا منجانب سرکار الٰہی ہونا ظاہر ہوجائے اور اوس کی ہر بات مذہبی سمجھی جائے جس کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑے اور جواب دیا جائے تو جواب کی جادوگری کا پردہ اوسی آیت الٰہی سے چاک ہوجائے۔

پس ہمارے لئے اس میں کوئی فخر نہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے اپنی تقریر وتحریر کو عین اوس سیاسی اور معاشی انداز میں پیش کیا جس انداز سے عصری سیاست کے وکلاء اپنے مقالے پیش کرتے ہیں جنکی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہوتی ہے کہ اون میں قرآن وحدیث کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا نہ تنصیصاً نہ استنباطاً اور محسوس ہی نہیں ہوسکتا کہ یہ مقالہ کسی طالب علم اور منہمک کتاب وسنت کا ہے کیونکہ اوس کا آغاز وانجام قومیّت محضہ۔ معاش، خالص ملکی مفاد اور صرف رسمی تعاون سے ہوتا ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے اوّل وآخر اور ظاہر وباطن کی ہر ایک جُنبش صرف کتاب وسنت اور اوس کے صحیح استنباط سے ہو اور یہی رنگ ہماری طرف خواص وعوام میں منسوب ہوجائے کیونکہ اون کے ہر

خطاب و ابلاغ، ہر پیام اصلاح و تہذیب اور ہر ایک مطالبہ و احتجاج کیساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ

قد جئناک بآیۃ من ربک والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ	ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشان لائے ہیں اور سلامتی ایسے شخص کے لئے ہے جو راہ پر چلے۔

یعنی نہ خود سے آئے نہ کوئی اختراعی حجۃ لیکر آئے بلکہ دونوں چیزیں من اللہ ہیں اور اسی لئے صحیح سالم وہی رہیگا جو اس رسالت الٰہی کی پیروی کریگا ورنہ ہمارے ہی ہاتھ پر اوس کی تباہی من اللہ نمایاں ہوگی کیونکہ

انا قد اوحی الینا ان العذاب علیٰ من کذب و تولیٰ۔	ہمارے پاس خدا کی طرف سے یہ حکم پہونچا ہے کہ (قہر خداوندی کا) عذاب اوس شخص پر ہوگا جو جھٹلاوے اور روگردانی کرے۔

بہرحال موسیٰ علیہ السلام نے اس ساری پیام رسانی میں جو منجانب اللہ اور باِمر اللہ تھی اولین مقصد فرعون سے یہی ظاہر فرمایا کہ اَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ (بنی اسرائیل کو میری ساتھ بھیج اور اپنے پنجۂ ظلم سے اونہیں رہا کرکے اونہیں آزادی دے)۔

ظاہر ہے کہ اس ارسال بنی اسرائیل اور اونہیں موسیٰ کے ساتھ بھیجدینے کا یہ مطلب نہ تھا کہ اونہیں مصر سے شام بھیجدے۔ یا ہم ملک مصر چھوڑنے کے لئے بنی اسرائیل کو تجھ سے لینے ...... آئے ہیں بلکہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو اپنا پابند اور غلام رکھنے کی بجائے میرے ساتھ ہونے دے تاکہ وہ میرے ساتھ ہوکر جس طرح چاہیں آزادی سے زندگی بسر کرسکیں۔

(۲۰) اس سے واضح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کے اوپر سے فرعون کی امامت ہٹاکر رسول خدا کی امامت و امارت قائم فرمانا چاہتے تھے کیونکہ فرعونی امارت سے اون میں غیر اللہ کی پرستش کے مہلک جراثیم سرایت کرجاتے اور موسوی امامت سے اون میں صرف خدائے واحد کی طاعۃ و عبادت کے پاک جذبات گھر کرتے۔

توکیا اس سے یہ مسئلہ واضح نہیں ہوتا کہ حصول آزادی کے سلسلہ میں مسلمان اپنا ایک امام اور امیر منتخب کریں جو ایک طرف تو حسب استطاعۃ اطاعۃ شریعت کیساتھ اونکی دینی تربیت کرے اون کی اسلامی تنظیم کرے اون کے معاملات و محاکمات کو شرعی دائرہ میں رکھے اور ایک طرف دشمنان دین سے جائز مطالبات بھی کرے اور نہ صرف اپنے مامورین بلکہ ان ناجائز آمرین کو بھی راہ حق دکھلائے۔ رب اعلیٰ اور اوس کی رسالات حقہ سے اونہیں بھی آشنا بنائے اگر مسلمان فوضویت اور لامرکزی کی زندگی بسر کرتے رہے تو نہ اون کا دینی تشتت زائل ہوسکیگا نہ دنیوی تفرق

یہ غرض نہیں کہ مسلمان اس غلامیت کے عالم میں خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین بنائیں۔ کہ اوس کے لئے طاقت اور قہر و غلبہ شرط ہے۔ بلکہ صرف یہ غرض ہے کہ ایک مرجع الامر تسلیم کرلیں جو اون میں دینی تشتت وافتراق نہ ہونے دے اور حتی الامکان اون کو اخلاقی قوت سے معاملات شرعیہ پر جمائے رکھے۔ تاکہ جب بھی وہ غلبہ پائیں تو اونہیں اوس انقلاب کے تشویشناک دور میں ازسرنو کسی نظام اور مرکزیت کی تشکیل کرنی نہ پڑے بلکہ پہلے ہی سے اون کا ایک قائم شدہ نظام کا ڈھانچہ بنا بنایا موجود ہو اور وہ اوس میں حسب غلبہ وطاقت طاقت کی روح پھونک دیں۔ چنانچہ آزادی کے سلسلہ میں جو بنی خدائے حکم کے مطابق بنی اسرائیل کو مصر چھوڑنا پڑا تو موسیٰ علیہ السلام کی زیر قیادت اون کے نظام کی تشکیل ایسی قائم شدہ موجود تھی کہ ایک اشارۂ موسوی پر چھ سات لاکھ بنی اسرائیل نے راتوں رات مصر چھوڑ دیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ بحر قلزم کے کنارے پر تھے۔ پھر فرعون اور فرعونیوں کی غرقابی کے بعد جبکہ بنی اسرائیل کی طاقت کی داغ بیل پڑ رہی تھی اونہیں کوئی نیا نظام بنانا نہ پڑا۔ امام موسیٰ علیہ السلام تھے جن سے قوم میں مرکزیت قائم تھی اور مقتدی سارے بنی اسرائیل تھے جس سے سمع وطاعت کا نظام قائم تھا۔ ڈھانچہ موجود تھا روح آتے ہی وہ زندہ ہوگیا اور پھر جو کچھ ہوا وہ تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔

اسی طرح آج کے دور غلامی میں اشد ترین شرعی ضرورت ہے کہ حسب طاقت مسلمان بھی اپنے لئے کسی ایک شخصیت کو پہلے ہی سے اپنا امیر تسلیم کئے رہیں اور اوس کے ذریعہ اپنی شرعی تنظیم کئے رہیں آج وہ اخلاقی ہے کل کو وہ رسمی ہوجائیگا جس میں قہر و غلبہ پیدا ہوجائے۔

(۲) مگر ہاں اسی سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ امیر موسوی صفت ہونا چاہیئے یعنی دور نبی کے بعد امیر وامام نائب نبی اور وارث نبی ہونا چاہیئے جس میں اوصاف نبوۃ کا پورا پورا ظل ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نبی کے بے شمار اوصاف کمال کا خلاصہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک علم لدنی جس پر نبوۃ کا دار ہے یعنی وہ علم اکتسابی اور کتابی نہیں ہوتا بلکہ خدا کی طرف سے بلا توسط اسباب القاء خدا ہوتا ہے جسکا چشمہ نبی کے قلب سے پھوٹتا ہے جو محسوساتی علوم کے اوہام و ظنون اور شبہات و شکوک سے پاک ہوتا ہے اور قطعیت و یقین کی ٹھنڈک لئے ہوئے ہوتا ہے جس سے سینے معمور ہوجاتے ہیں اور سکون و طمانیت قبول کرتے ہیں۔ دوسرے معصومیت کہ نبی کی ہر نقل و حرکت حظ نفس سے پاک ہوتی ہے ہر چیز اللہ کیلئے کیجاتی ہے جسمیں غیر اللہ کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی نہ گمراہی کا شائبہ ہوتا ہے نہ ضلالت کا۔ غرض علم خدائی ہو جو اوسی کے مخفی راستوں سے آیا ہو اور عمل عبدیت خالصہ کا ہو جسمیں ضلالت نہ ہو تو یہی کمالات نبوۃ کا سرمنشاء ہے جس سے آگے تمام کمالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے پس حقیقی ورثۂ انبیاء جبکہ بنص حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء وارثان نبی ہیں) علماء ہیں تو اونسی

اس قیادت و امارت کے سلسلہ میں وہی علماء مراد ہو سکتے ہیں جنہیں یہ دونوں باتیں حسب درجہ و استعداد پائی جاتی ہوں جن کا علم لدنی ہو جنہیں علم کیساتھ معرفۃ بھی ہو جنکا قلب مورد علم خفی ہو وہ اسرار تشریع کے مفکر او مبصر رہوں اور علوم ظاہری کیساتھ اونہیں علوم باطن سے بھی کافی مناسبت ہو۔ وحی کے بجائے القاء ربانی اور الہام باطنی اون کا مربی ہو اور ساتھ ہی نبض شناس اُمت بھی ہوں حوادث و وقائع اور مخاطبین کی ذہنیتوں پر اونہیں عبور حاصل ہو اور جو مصداق ہوں حضرت عارف رومی کے اس شعر کے ؎

| بینی اندر خود علوم انبیاء | + | بے کتاب و بے مُعید و اوستا |

گویا مطلقاً عالم ہونا یا کتابوں کے درس و تدریس پر قادر ہونا کافی نہیں بلکہ بایں معنی اون میں وراثت نبوۃ کی شان ہونی چاہیئے کہ اون کا علم خود بینی اور ترددات سے بالاتر ہو۔ ادہر اون علماء میں عصمۃ کی شان بصورت محفوظیت پائی جاتی ہو۔ تقوی و طہارت اور احتیاط و حزم کی وجہ سے اون کا رویہ نہ ذاتی گمراہی کا ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنیکا ہو وہ ضَلّوا وَاَضَلّوا دونوں قسم کی ناپاکیوں سے پاک ہوں پھر جبکہ ان دونوں اوصاف انکشاف باطن اور محفوظیت کے علماء کوئی اجتماعی شان بھی پیدا کرلیں تو اون میں فی الجملہ عصمت کی شان بھی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ۔

لاتجتمع امتی علی الضلالۃ	میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی (یعنی ساری امۃ کا ملکر کسی گمراہی پر اجماع کرلینا ناممکن ہے بلکہ ایک جماعت حق پر ہمیشہ قائم رہیگی وہی جماعت منصور ہوگی)

جس سے واضح ہے کہ اہل حق اور اون میں بھی علماء حق کہ جنکی بدولت لوگ اہل حق بنتے ہیں اور اونمیں بھی پھر جماعۃ علماء اور جماعۃ علماء جبکہ خود ایک اجتماعی شان بھی پیدا کرے یعنی اپنی جمعیۃ بنالے وہ انشاء اللہ سب ملکر اُمت کو گمراہی کی لائن پر نہیں ڈال سکتے۔ پس اس سے صاف کھل جاتا ہے کہ حقیقی معنی میں نبی کا صحیح قائم مقام پوری اُمت اجابۃ اور اس اُمت میں بھی اوسکی بقاء کی اصلی رُوح علماء ربانی کی جماعۃ ہوتی ہے اور اوسی کو اُمۃ کا امام یا امیر کہنا چاہیئے لیکن مرکزیۃ قائم کرنے کے لئے اگر یہی جماعت اپنے میں سے کسی ممتاز شخصیت کو امیر بنالے اور خود اپنے اوسی محفوظ بلکہ ایک حد تک معصوم اجتماعی علم و فہم سے اوس کی مشیر و معین ہو جائے تو صحیح معنی میں یہی امیر بواسطہ جماعۃ نائب نبی اور وارث رسول کہلائیگا جو ماتحت جماعۃ کی اجتماعی نصرت و تفہیمات کے سبب کمالات جماعۃ کا مجموعہ اور اس جامعیت کمالات کے سبب نبی کے ان دونوں اوصاف کمال علم باطن اور عصمت کا وارث ہوگا۔ اوسے حق ہوگا کہ اُمۃ کی قیادت اور شرعی تربیت کرے۔ اور اونکا امیر کہلائے

پس اُمۃ کیلئے سہل علاج یہی ہے کہ مفکر اور مبصر اور تقوی و طہارت کے پیکر علماء ربانی کی قیادت میں رہے اور اون کے زیر سایہ اپنی شرعی زندگی بسر کرے۔

یہ جماعۃ اگرچہ نبوۃ کی سی معصومیت نہیں رکھیگی چہ جائیکہ اون میں کی کوئی ایک شخصیت البتہ اوسکی شان محفوظیت کا یہ ثمرہ قدرتی ہوگا کہ وہ جو امر بھی طے کرے حظ نفس اور ذاتیاتی مفادات کے لئے نہ کرے بلکہ لوجہ اللہ اور مفاد مسلمین کے لئے کرے پھر بھی اگر اوس کے فیصلوں میں کوئی گوشہ خطاء فکری کا نکل آئے تو مسلمانوں کیلئے کسی حالت میں بھی یہ زیبا نہ ہوگا کہ وہ اوس خطا کے سبب اوس کے سارے صوابات سے محرومی اختیار کرلیں اور اصل جماعت ہی کو غیر معتبر ٹھہرا کر سرے سے اوس کی قیادت ہی سے باہر آجائیں بلکہ مزید برآں اوس کے وقار کو زائل کرنے کے منصوبے باندھنے لگیں اور اگر چند نااہلوں میں اس بے توقیری کی مقبولیت ہو جائے تو اوس پر فخر کرنے لگیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اگر وہ ایسا کرکے جماعۃ علماء یا اون کے منتخب کردہ صدر و امیر کی قیادت سے باہر ہوں گے تو اوسکی پاداش میں اون کے لئے ناگزیر ہوگا کہ وہ جماعۃ جہلاء یا فساق و فجار کی امارت کے تحت میں آجائیں اور اپنا رہا سہا دین بھی کھو بیٹھیں۔ پس یہ کیا کم حیرت کی بات ہوگی کہ جو لوگ کسی ایک آدھ جزیہ کی مزعومہ خطا تک کو معاف نہیں کرسکتے تھے اب اونہیں اپنی خوشی سے کلیاتی خطاؤں اور عمومی فسق و فجور کی حکومت و قیادت کو بطوع و رغبت قبول کرلینا پڑ گیا؟ اور اب وہ اوسی کے زیر سایہ ساری زندگی غیر شرعی طور پر بسر کرنے لگے۔ میرے خیال میں علماء صالحین کے برملا تخطیہ کی یہ ایک کھلی سزا ہے کہ ایک ایک جزیہ میں تقویٰ و طہارت کے طالب کلی طور پر فسق و فجور کی امامت کے نیچے آجائیں اور پھر اونہیں خطا و صواب کا احساس بھی باقی نہ رہے۔ اصول دانش کی رو سے ایسی جزئیاتی خطا بہتر ہے کہ جس کو ترک کرنے سے کلیاتی معاصی میں ابتلا رہو جاتا ہو۔

پس ضروری ہے کہ امۃ اسلامیہ زیر قیادت صلحائے امۃ و جماعۃ علماء (جس کا رسمی نام جمعیۃ العلماء رکھ لیا جانا کوئی مذموم بات نہیں ہے) شرعی زندگی گذارے منہیات شرع سے ہجرت کرکے ماموراتِ شرعیہ کی حدود میں سے جہالت رفع کرے تفقہ فی الدین پیدا کرے اپنے سیاسی مستقر اور حقیقی امارت کو جو علماء حقانی کا جامعہ ہو جس پر دینی رنگ کا غلبہ قوی اور وسیع سے وسیع تر کرے۔ جزئیات مسائل پر لڑنا جھگڑنا ترک کرکے بنیادی مقاصد میں خلل نہ ڈالے۔ عمل میں رواداری قائم کرے تو پھر حقیقی امارت و امامۃ قائم ہو جانے میں زیادہ دیر نہیں لگ سکتی۔

اس جامع علم و تقویٰ جماعۃ کے اصولاً دو کام سب سے بڑے اور سب سے اہم ہونے چاہئیں ایک یہ کہ کسی جماعۃ میں مدغم ہوئے بغیر جب مسلمانوں کے حقوق کا سوال آئے خواہ کسی بھی پلیٹ فارم سے اوٹھے تو وہ اون کی غیر مشروط حمایت کرے اور نصرت کے لئے اپنی پوری قوت عمل سے کھڑی ہو جائے

اورجب آزادئ ملک کا سوال اوٹھے خواہ کسی غیر مسلم پلیٹ فارم ہی سے اوٹھے تو اوس کی غیر مشروط حمایت کرے اور اپنی پوری قوۃ ادراک و عمل سے اوس کو آگے بڑھائے کہ اس ملک کے تمام مادی ونفسانی امراض کی اصلی جڑ صرف غلامی ہے اور اوس کی حقیقی بہبود وفلاح صرف آزادی ہے۔

اس طرز عمل سے اس جنگ آزادی کے سلسلہ میں مسلم جماعتوں میں تو باہم ربط واتحاد قائم رہ سکتا ہے جو حصول آزادی کے لئے رکن اولیں ہے اور غیر مسلم جماعتوں سے تصادم ونزاع قائم نہیں ہو سکتا جو حصول آزادی کے لئے شرط اولیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نہ رکن کی خاطر شرط سے قطع نظر کی جا سکتی ہے اور نہ شرط میں لگ کر رکن چھوڑا جا سکتا ہے۔ رسمی لفظوں میں اس حقیقت کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جمعیۃ العلماء کا تمام آزادی پسند مسلم جماعتوں کو اپنے سے وابستہ رکھنا بھی ضروری ہے اور نوائے آزادی میں غیر مسلم آزادی خواہ جماعتوں کا ہمنوا رہنا بھی ازبس ضروری ہے۔

غیر مسلم جماعتوں سے اشتراک عمل شرعاً ممنوع یا حرام نہیں ہے جبکہ حدود شرعیہ میں ہو۔ آج ملکی معاملات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ہندو مسلم اشتراک عمل نہ ہو پھر ملکی آزادی جیسے عظیم مقصد میں یہی ہندو مسلم اشتراک عمل ممنوع وحرام کیوں بنجاتا ہے؟ جبکہ ایک طرف تو خود ملک تمام جزوی اُمور میں عملاً اسی اشتراک عمل کی تائید میں ہے اور دوسری طرف حکومت نے بھی اس کا کھلا اعلان کر دیا ہے کہ وہ آزادئ ہند کے بارہ میں کسی مشترکہ اور متفقہ مطالبہ پر ہی غور کر سکتی ہے۔ تو کیا ان حالات میں شرعاً یا سیاستہً یہ چیز ناجائز یا ممنوع ٹھہر سکتی ہے کہ تمام اقوام ہند باہمی اعتماد ورواداری کیساتھ بیک آواز اس موجودہ شہنشاہی اور نظام حکومت سے کھلی بیزاری اور نفرت کا اعلان کرتے ہوئے ملک کی آزادی کا مطالبہ کریں اور اس سلسلہ میں اندرون حدود اشتراک عمل کریں اگر غیر مسلموں سے اشتراک عمل ممنوع ہے تو گورنمنٹ کے ماتحت ہر سیاسی ادارہ میں ممنوع رہنا چاہیئے اور اگر جائز ہے تو حکومت کے مخالف تمام اداروں میں بطریق اولیٰ جائز رہنا چاہیئے کیونکہ اُصول ہر جگہ اصول ہے ہاں حدود وقیود کی ہر جگہ ضرورت ہے کہ غیر محدود عمل ہمیشہ مضرتوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پس اس بارہ میں بھی باہمی معاہدہ سے حدود عمل کی اصولی دفعات ایسی ضرور مشخص کر لی جائیں کہ ان دو قوموں میں نزاعات واعتراضات کا سد باب ہو جائے جو آئے دن باہمی بے اعتمادی اور آپس کی سرپھٹول کا باعث ہوتا رہتا ہے۔ اور خصوصیت سے جمعیۃ العلماء خدشات واعتراضات کا مورد بنی رہتی ہے۔ پھر یہ معاہدہ بھی دماغ اور جنگ کی حد تک ہونا چاہیئے۔ تعمیری معاہدہ کے لئے آزادی کا زمانہ موزوں ہوتا ہے نہ کہ غلامی کا۔

بہرحال جمعیۃ العلماء کو اپنے ہمہ گیر مقصد اور بلند پایہ منصب کے لحاظ سے ملک کی ہر قومی جماعت سے

درجہ بدرجہ تعلق قائم رکھنا ضروری ہے مسلم جماعتوں سے یگانگت واتحاد کا۔ اور آزادی پسند غیر مسلم جماعتوں سے اشتراک عمل کا۔ مگر ساتھ ہی خود اپنے پروگرام اور اپنے پلیٹ فارم کا استقلال محفوظ رکھنا بھی اوس کا عقلی و شرعی فریضہ ہے ایک منٹ کیلئے نہ اسکی حمایت کیجا سکتی ہے کہ جمعیۃ العلماء اپنی خصوصیات فنا کرکے اپنا استقلال کھودے اور کسی دوسری مسلم یا غیر مسلم یا نیم مسلم جماعت میں مدغم یا اوسکے سپرد ہونے کا دھبہ اپنے دامن تقدس پر لگائے اور نہ کسی حالت میں اسکی حمایت کیجا سکتی ہے کہ وہ اپنے محدود جماعتی استقلال میں محو ہوکر ہر دوسری جماعت سے مستغنی ہوجائے اور اپنے یا دوسروں کے تعلق منقطع کردینے پر آسانی سے صبر کرکے بیٹھ جائے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اوس کا وجود ختم ہوجاتا ہے اور دوسری صورت میں اوسکی منصبی حیثیت ختم ہوجاتی ہے کہ وہ بجائے ایک ہمہ گیر رہنما اور قائد ہونے کے صرف ایک چھوٹی سی پارٹی بنکر رہ جاتی ہے۔ پس اوسے اپنا مستقل اور غیر تابع وجود قائم رکھکر دوسروں کی طرف ملاپ اور اشتراک کا ہاتھ بہر صورت بڑھاتے رہنے ہی کی ضرورت ہے پھر خصوصیت سے مسلم اداروں سے تو اوسی وداد و تعلق کی خاطر دوڑ دھوپ کرنیکے ساتھ اخلاقی لجاجت و سماجت سے بھی کام لینا پڑے اور شدید سے شدید تعدیوں پر بھی جو اوسکی ذات پر کیجائیں مسامحت سے کام لینا پڑے تب بھی اوسے ہرگز گریز نہ کرنا چاہیئے کہ یہ خود اوسکی اخلاقی عظمت اور عمومی رہنمائی کا ایک جزو لاینفک ہے کہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا صحیح نقشہ علماء کی جماعت بھی نہ کھینچیگی تو پھر اوس کا سلیقہ اور کس میں تلاش کیا جائیگا؟ اگر انبیاء علیہم السلام اپنی عالمگیر اخلاقی شفقت و رحمت سے کفار تک کو اپنا کر اونہیں مسلم و قانت بنا سکتے ہیں تو کیا نائبان انبیاء اوسی شفقت و رحمت کے ظل سے اپنوں کو اپنا بھی نہیں سکتے؟

مجھے اس سے انکار نہیں کہ اس سلسلہ میں بعض اوقات جبکہ لوگوں کے قلوب پر غرض مندیوں یا غلط فہمیوں کی گھٹا چھا جاتی ہے اور وہ خود اپنے ہی مربیوں و مصلحوں کے خلاف عناد تک کا مظاہرہ کرنے سے دریغ نہیں کرتے تو علماء کو تعاون اور تعلق سے مایوسی تک کی نوبت بھی آجاتی ہے لیکن پھر بھی فرائض نصیحت و موعظت اور روابط شفقت و رحمت قطع کرنیکی کوئی وجہ پیدا نہیں ہوتی۔ اِلّا یہ کہ شفقت و موعظت کے تمام مراحل سے گذر کر قلوب دیانت اس پاس پر شاہد ہوجائیں اور یکسوئی کے سوا چارۂ کار باقی نہ رہے تو سکوت میں مضائقہ نہیں لیکن العطائے تعلق یا طنز آمیز نکتہ چینیاں پھر بھی شان علم اور وراثت نبوۃ کے منافی رہینگی۔ أَصِلُّ بِقَلْبٍ وَلَعَّانِيْنَ (کیا سچائی کی علمبرداری بھی اور طعن و تشنیع بھی؟ یہ دو چیزیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں؟) بہر حال جیسے جمعیۃ العلماء کا قیام اور اوسکی منصبی حیثیت کے وقار کا وجود اُمت کیلئے ضروری ہے ایسے ہی دوسری جماعتوں سے حسب حیثیت و مرتبت اوسکا تعلق اور اشتراک عمل بھی ضروری ہے۔ اِدھر اپنے شرعی نظریوں کی تبلیغ اور اُمت کو رحمت و یُسر کیساتھ اونپر لانا بھی از بس لازمی ہے۔ اس سے میرا یہ منشا ہرگز نہیں کہ جمعیۃ العلماء کی قیادت کے یہ معنی ہیں کہ دوسری مسلم

جماعتیں توڑ دی جائیں اور یہ ممکن بھی کب ہے جبکہ آزادی جیسے بنیادی مقصد کیلئے اور بھی بہت سے مبادی اور مقاصد طبعی طور پر ضروری ہیں جنہیں سب کو نہ تنہا جمعیۃ العلماء انجام دیسکتی ہے اور نہ بہت سے وظائف کما انجام دہی اوسکی منصبی حیثیت پر چسپاں ہی ہوتی ہے اسلئے جبتک ان مختلف مقاصد کیلئے اتحاد مقصد اور تقسیم عمل کے اُصول پر دوسری جماعتیں بھی موجود نہ ہوں اور اونکا اور جمعیۃ کا باہمی ربط و تعاون نہ ہو اصل مقصد کی تکمیل دشوار ہی نہیں ناممکن ہے ہاں مگر یہ بھی میں ضرور کہونگا اور شرعی رہنمائی کی روشنی میں کہونگا کہ یہ تمام دوسری مسلم جماعتیں جمعیۃ العلماء کے سامنے مستغنی ہونگی نہ کہ مغنی۔ نہ بلحاظ ذوات علماء بلکہ اس لحاظ سے کہ اُمت کے ہر مرض کی دوا بالآخر کتاب و سنۃ ہے اور اوسکی حامل حقیقتاً یہی علماء کی جماعۃ ہے جبکہ وہ اپنے علمی وقار فکر صحیح اور اخلاقی بلندیوں کو محفوظ رکھکر خالص کتاب و سنۃ کی روشنی اُمت کے سامنے پیش کرتی رہے ایسی صورت میں افراد اُمۃ ہوں یا جماعات اُمۃ اونہیں سمع وطاعۃ کے سوا چارۂ کار نہیں کہ ارشاد ربانی ہے۔

وماکان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہٗ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللّٰہ ورسولہٗ فقد ضل ضلالاً مبینا	اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اوسکا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ اونکو انکے اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ کا اور اوسکے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

پس تمام مسلم جماعتوں کا فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے مسئلہ میں جمعیۃ العلماء کی شرعی رہنمائی بالضرور حاصل کریں جسمیں ذرا بھی اُصول یا فروع اسلامی سے ٹکرا جانے کا کوئی احتمال ہو بلکہ اون کیلئے بہرحال یہی ضروری اور مصلحت ہے کہ وہ صرف جمعیۃ العلماء ہی کی طرف رجوع کریں تاکہ مسلم مجالس سے ربط باہمی قائم ہوئے کیساتھ ساتھ اونکے تمام مسائل بھی جمعیۃ کے علم میں آتے رہیں اور خود جمعیۃ کی بھی کوئی چھوٹی بڑی تجویز ان مجالس کی تجاویز سے متصادم نہ ہوسکے۔

پھر اگر جمعیۃ العلماء کی کسی تجویز سے کسی مسلم جماعۃ کو کوئی ادنیٰ سا بھی اختلاف پیدا ہو تو وہ جب تک کہ اوس میں جمعیۃ سے آخری حد تک رجوع کر کے مسئلہ صاف نہ کرلے کتابت و خطابت سے کوئی ادنیٰ پہلو تہی نہ کرے یعنی ابتداءً ہی مایوسی کو اپنے اوپر غالب نہ کرلے اور انتہاءً کسی انقطاع یا بیگانگی یا بے مروتی کا معاملہ نہ کرے اور ادھر جمعیۃ بھی فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے اپنے خلاف تنقید سُننے اور معقول و منقول تنقید کو مانکر اوسکی تلافی کیلئے تیار رہے کہ

کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا۔	کلمۂ حکمت مومن کی گم کردہ پونجی ہے جہاں بھی ملجائے وہ اوس کا مستحق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ و ہرون علیہما السلام نے امام قوم بنکر جبکہ بنی اسرائیل کی تربیت و تعمیر کی اور اونکا وکیل شرعی بنکر فرعون سے اون کی آزادی کے بارہ میں گفت و شنید اور مطالبہ و احتجاج کیا اور تمام بنی اسرائیل نے

جنمیں اسباط کی متعدد جماعتیں تھیں سمع و طاعۃ سے کام لیکر موسیٰ و ہارون کی اس مشترک و مختصر جمعیۃ پر اعتماد کیا جسکی بدولت بالآخر وہ آزاد ہوا اسی طرح آج کے دور غلامی میں بھی مسلمان افراد اور جماعات نائبان نبی کی اجتماعی قیادت میں اگر وہ اپنے میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں تو اوسکی امارت میں اوسکی تعمیر و تربیت پر اعتماد کریں اور شکوک اندازوں یا خود غرضیوں کی تفرقہ پردازیوں سے جزئیات میں پڑکر اصل مقصد کو ہاتھ سے نہ کھوئیں تاکہ یہ جماعۃ یا امیر با جماعۃ اونکی آزادی کیلئے بانبساط خاطر پوری جدوجہد کریں اور آزادی کو اونکے قریب لے آئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جمعیۃ العلماء نے ان وظائف کو اپنے مقدور بھر ادا کیا ہے اور ادا کرتی رہیگی مگر یہ کارخانہ بشری ہے اسلئے فروگذاشت یا اجتہادی خطا ممکن ہے سو جن حضرات پر بھی ایسی کوئی خطا واضح ہو وہ اعتراض و مطاعن اور اخباری پروپگنڈوں کا راستہ چھوڑکر ٹھنڈے دل سے جمعیۃ کی طرف رجوع کریں۔ جذبات کے بجائے دلائل و اصول سے افہام و تفہیم کرلیں وابتداءً ہی فریقین میں نیت مناظرہ کے بجائے تحقیق مسئلہ کا عزم ہو تو بات بڑھ نہیں سکتی۔ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آج ہندوستان کا سب سے گہرا اور بنیادی مرض غلامی ہے جسکی جڑوں کو ایک پردیسی حکومت راتدن مضبوط کرنیکی فکر میں لگی ہوئی ہے جسنے شعائر اسلامیہ ہی کو نہیں شعائر انسانیت کو بھی مٹا دیا ہے۔ اس غلامی سے ہماری تعلیم، روایات، مذہب، اقتصادیات۔ تہذیب و تمدن، قومی وقار، دینی آبرو اور اندرونی و بیرونی تعلقات سب برباد ہوچکے ہیں۔ قرآن نے اسیلئے غلامی کو بدترین عذاب قرار دیا تھا اور اسلئے ہمارا اولین فریضہ ہے کہ اس مہلک مرض سے بعجلۃ ممکنہ نجات حاصل کرکے آزادی کے مقام رفیع تک پہونچیں جیسا کہ اوسکی فرضیت و ضرورت ابتدائی نمبروں میں عرض کیگئی تھی حصول آزادی کے پروگرام کا حاصل یہ ہے کہ:-

(۱) سب سے اوّل غلامی کے منشاء کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ برطانوی شہنشاہی اور اوسکی استبدادی پالیسی ہے،

(۲) پھر حصول آزادی میں نبوت وقت سے مدد لینی چاہیئے تاکہ پروگرام اختراعی نہ رہے بلکہ الہامی ہوجائے اور قیادت وحی الٰہی کی قائم ہو (۳) پہلے اپنوں سے اتحاد اور اشتراک عمل ضروری ہے۔ پھر غیروں سے بقدر حاجۃ اشتراک عمل مگر حدود و قیود شریعت میں رہ کر اور اوسکا بصورت معاہدۂ ہندو مسلم اعلان کرکے (۴) موجودہ صورت حال میں جنگ آزادی عدم تشدد سے لڑی جاسکتی ہے جسکے اسلحہ اخلاقی ہیں۔ ذکر اللہ۔ دعاء۔ رجوع الی اللہ۔ استمداد باہمی و اتحاد اور اجتماعی و مطالباتی جدوجہد نیز مسلمانوں کی تنظیم (۵) باہمی اشتراک عمل میں شرکاء عمل کا عاقل و باخدا ہونا ضروری ہے غافل اور چالاک ہونا مضر ہے۔ (۶) اس اخلاقی جنگ میں بحیثیت حزب اللہ اور فرستادۂ خدا کام کرنا چاہیئے نہ کہ حظ نفس سے (۷) متسلط قوم سے خطاب میں نرمی برتنی چاہیئے نہ کہ تشدد اور اظہار غیظ (۸) خطاب کنندہ قائدوں کا متواضع اور بے تکلف ہونا ضروری ہے جنکی نظر اپنی کمزوریوں اور عیوب پر بھی ہو اور متکبر یا رسمی دو رہونا مضر ہے (۹) قائدوں کی جماعۃ کو متغلب قوم کے درباروں میں پہونچکر اپنی اسلامی پوزیشن اور اپنی تحریک کی

دینی پوزیشن علی الاعلان واضح کردینی چاہیئے (۱۰) آزادی کی طلب مذہب کے لئے کرنی چاہیئے نہ کہ تفریح و تنعم دنیوی کیلئے (۱۱) آزادی خواہ ذمہ داروں کا عاقل و فہیم ہونا دین سے متاثر ہونا اور دیندار ہونا ضروری ہے ورنہ مذہبی آزادی حاصل نہ ہوگی جو مقصود بالذات ہے بلکہ صرف قومی آزادی ملیگی جو مقصود اصلی نہیں ہے۔ (۱۲) اپنوں کی اصلاح و تعمیر اونکی اخلاقی تربیت اور جزئیات عمل کی تہذیب مسلم جماعتوں کی تقویم ازبس ضروری ہے کہ ناتربیت یافتہ فوج بالآخر تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوتی ہے (۱۳) متسلط قوم کو بھی تبلیغ دین ضروری ہے اور تا حصول آزادی مسلسل ضروری ہے کہ اس سے نصرت غیبی اور ذمہ داری حق تعالیٰ ہوجاتی ہے اور مطالبات کی جڑ مضبوط ہوجاتی ہے۔ (۱۴) مضائب دنیا کی شکایت زبان پر نہ آنی چاہیئے بلکہ عنوان مطالبات موانع دین کی شکایت ہونی چاہیئے کیونکہ اسلام میں آزادی کی ضرورت صرف دین کیلئے ہے۔ دنیا تابع محض ہے (۱۵) ہر مطالبہ اور احتجاج کی حجۃ قرآنی معجزہ یعنی کتاب وسنت کے براہین سے پیش کیجائے تاکہ تحریک کا گوشہ گوشہ دینی رنگ کا محسوس ہو اور اہل وطن دشمن بھی یقین کرلیں کہ یہ قوم اپنی ذوات کیلئے کچھ نہیں چاہتی صرف خدا کیلئے ہر چیز چاہتی ہے (۱۶) شرعی امارت اور دینی قیادت کا قیام ضروری ہے تاکہ قوم میں مرکزیت آجائے اور ایک مرجع الامر متشخص ہوکر پوری قوم کو بجائے تشتت و پراگندگی کے تعمیل شرائع میں یکسوئی نصیب ہوجائے اور قلوب میں تشویش کی جگہ سکون و طمانیت پیدا ہوسکے (۱۷) قائد علماء مفکر و مبصر دانایان مسائل و دلائل عارفان حوادث و وقائع مستند و جید اور ساتھ ہی صلحاء و اتقیاء ہونے چاہئیں۔ نہ کہ محض خطیب اور زعیم (۱۸) علماء مفکرین کی حیثیت اجتماعی کا وجود ضروری ہے جسکا رسمی نام جمعیۃ العلماء ہے۔ مگر ضرورت اسکی ہے کہ اسکے اہل حل و عقد مستند علماء ہوں رسمی یا متکلف علماء نہ ہوں جن کے سامنے آنے سے غیر شرعی چیزیں شرعی باور ہونے لگیں اور تلبیس حق بالباطل کا بازار گرم ہوجائے (۱۹) اسوقت جمعیۃ العلماء کا بڑا کام حقوق مسلمین کی غیر مشروط حفاظت اور آزادی ملک کی غیر مشروط حمایت کرنا ہے (۲۰) ہر آزادی خواہ کی حمایت و ہمنوائی کیجائے۔ مگر اپنا پروگرام مستقل رکھا جائے۔ معاہد کیساتھ غیر مسلم اقوام سے اشتراک عمل بحالات موجودہ ضروری ہے۔ اس اشتراک سے وہ بھی اسلام سے قریب لائی جاسکتی ہیں۔ اپنے استقلال تام کی صورت میں سب ہمارے ساتھ ہونگے اور ہم صرف خدا کی ساتھ یہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم سب کے ساتھ ہوں اور ہمارے ساتھ کوئی نہ ہو (۲۱) حصول آزادی کی جدوجہد کیساتھ نماز باجماعۃ کا اہتمام اشد ضروری ہے کیونکہ اللہ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو تحصیل آزادی کیلئے بھیجتے ہوئے فرمایا ولا تنیا فی ذکری (میرے ذکر میں سستی مت کرنا) اور ذکر اللہ کا فرد کامل نماز ہے اقم الصلوٰۃ لذکری (میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو) اور اقامۃ صلوٰۃ کا جزو اعظم جماعۃ ہے فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ (جماعۃ کی صفوں کو سیدھا رکھنا اقامۃ صلوٰۃ میں سے ہے) اور ظاہر ہے کہ تسویۂ صفوف بلا جماعۃ کے ناممکن ہے۔ اسلئے حصول آزادی کی جدوجہد کے وقت تعلق مع اللہ اور اس کا اکمل فرد نماز باجماعۃ ناگزیر ہے تاکہ نصرت غیبی شامل حال رہے۔ (۲۲) تبلیغی مساعی کی منظم طریق پر ضرورت ہے تبلیغ دین سیاسی پلیٹ فارموں سے ہونی چاہیئے اور حکومت و رعایا کے کانوں میں مساوی طور پر اسلام کی آواز پہونچنی چاہیئے جس میں دیانات کیساتھ اسلامی قوانین و سیاسات کو بھی اصول طور پر کرسی نشینوں کے کانوں تک پہونچایا جائے تاکہ اون کے مقصد سے دشمنوں میں بھی ہمدردی پیدا ہونے کا راستہ پڑجائے اور حصول

مقصد دور نہ رہے۔ بہرحال یہ بائیس نکات ہیں جو تلاوت کردہ آیات سے مستنبط ہوتے ہیں جنہیں غلامی کی قباحت وشناعت ازالۂ غلامی کی فرضیت طریق احتجاج و مطالبات اور اوس کی نوعیت، آزادی کی برکات۔ حصول آزادی کی سعی سعی میں خلوص وللہیت حصول آزادی کا پروگرام۔ دشمنان آزادی کا انجام اور غلام وضعیف قوم کی کامیابی وغیرہ کے مہمات ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ میں نے اپنی ضعیف بساط کے مطابق یہ مضامین آیات بالا سے استنباط کرکے عرض کئے ہیں جن میں اصولی طور پر مسائل حاضرہ کی بحث بھی موقع بموقع آگئی ہے مگر سیاسی زبان کے بجائے دینی اور قرآنی زبان میں آئی ہے اور یہ زبان سیاسی اور غیر سیاسی م افراد کے لئے یکساں مقبول اور جاذب توجہ ہے۔ اہل تفکر اور اذکیا ء علماء اس سے بہت زیادہ حقائق ان آیات سے نکال سکتے ہیں کہ آخر کلام الٰہی ہے جس کی گہرائیوں کی کوئی حد و نہایت نہیں ہوسکتی۔

میں نے کوشش کی ہے کہ آزادی کے پروگرام کے اجزاء صرف کتاب وسنت سے پیش کئے جائیں۔ میرے خیال میں جو شرعی رہنمائی سے قائم شدہ ہے ضروری ہے کہ کوئی بھی پروگرام عصری سیاست کے ڈھیر پر اور اوس سے اخذ کرکے نہ لیا جائے یہ پُر فریب سیاست رد کرنے کے قابل ہے جس نے دنیا کا امن وسکون برباد کردیا ہے نہ کہ معمول بنانے کے لائق ہے البتہ سمجھ لینے کے قابل ضرور ہے اوس کو سمجھکر پھر صرف شرعی سیاست سے ہمارے پروگراموں کا تعلق ہونا چاہیئے جس سے اس پرمکر عصری سیاست کی ظلمت دور ہوسکے اور قلوب پر سے اوس کا استیلاء اوٹھ جائے۔ کیونکہ آج اوس کی مخالفت کرنے والے بھی بوجہ اوس کی شوکت کے وقیع اوسی کو سمجھتے ہیں اور اوسی میں خود اپنی شوکت بھی محسوس کرتے ہیں اسلئے مزے لیکر اوس کا ذکر اور اوس کا رنگ اختیار کرتے ہیں صرف کتاب وسنت کے منصوص پروگراموں ہی سے یہ عظمت زائل ہوکر حقیقی عظمت خدائی پروگراموں کی قائم ہوسکتی ہے۔

تعمیری سلسلہ کا پروگرام میں کافی تفصیل کیساتھ اپنے خطبۂ صدارت جمعیۃ العلماء صوبۂ سندھ میں پیش کرچکا ہوں۔ اگر اوس کی تمام دفعات ان ۲۲ نمبروں کیساتھ شامل کرلی جائیں تو بناغی اور تعمیری پروگرام کی تمام اہم اور بنیادی دفعات سامنے آجائینگی جو نصوص کتاب وسنت سے ماخوذ شدہ ہونگی۔

بزرگانِ محترم میں نے بہت سا وقت آپ کا لیا جس کی میں معذرت کرتا ہوں اور اس تمغۂ صدارت پر جو آپ حضرات کی ذرہ نوازی نے مجھے عطا فرمایا ہے مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ فجزاکم اللہ عنا خیر الجزاء۔

ہندوستان آزاد، اسلام زندہ باد، جمعیۃ العلماء آباد

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

موالید ثلاثہ
اور
انکا نظم

(از مولانا محمود اسرائیلی صاحب سنبھلی)

صنعت قدرت نے صانع کو نمایاں کردیا
ورنہ اک ذہنی مرقع کو خدا سمجھے تھے ہم (محمود)

---

۱ بزم عالم کا گہرا مطالعہ ہمیں آئین فطرت سے آگاہ اور ان موالید و عناصر کے افعال و خواص سے واقف کرتا ہے جو اس کی زینت ہیں۔ قادر مطلق جل شانہٗ نے اس معمورۂ حیات میں کوئی چیز بیکار نہیں پیدا کی۔ مشاہدۂ موجودات میں جس قدر انسان کا انہماک بڑھتا جائیگا اسی قدر اس کی معلومات میں اضافہ ہوگا اور ترقی کی نئی راہیں نکلتی جائیں گی۔ قدرتی چیزوں اور نظاروں سے دلچسپی، حیوانات و نباتات کے مختلف افعال و خواص اور ان کے حیات کا مسلسل مشاہدہ ہمیں فطرت کے سربستہ رازوں کی جستجو و تحقیق پر مائل کرتا اور اس بیش بہا دولت پر قابض ہونے کا موقع دیتا ہے جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جابجا مختلف پہلوؤں سے اس طرف انسان کو توجہ دلائی ہے۔

موالید عالم کے خواص کی لاعلمی کے سبب انسان نے اپنے ابتدائی دور حیات میں مدتوں بہیمانہ زندگی بسر کی۔ ضروریات کے تقاضوں نے ذوق جستجو پیدا کیا جستجو نے شمع تحقیق کو چمکایا جس کی روشنی میں اسے گرد و پیش کی اشیاء کے مختلف خواص نظر آنے لگے اور اس نے ان سے متمتع ہونا شروع کیا۔ انسان کو موجودات عالم کے افعال و خواص کا جتنا علم ہوتا گیا اسی قدر تیزی کے ساتھ اس کے قدم تمدن کے میدان میں بڑھتے گئے۔

مغربی اقوام نے اس راز کو سمجھا ہمارے بدنصیب ملک نے اس علم کی اہمیت کو نظرانداز کردیا اور ابتدائی مدارس کے طلباء مشاہدۂ قدرت کے مضمون سے محروم رکھے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی ممالک نے حیوانات و نباتات کی رگ رگ سے واقف اور ان کے عجیب و غریب خواص سے ماہر ہوکر ہزاروں قسم کے صنعتی کارخانوں کی بنیادیں استوار کیں اور ان کی پیداوار سے دنیا کی دولت سمیٹ کر وہ متمول و متمدن ہوگئے۔ مگر ہندوستان کے باشندوں کو ذوق مشاہدہ کے فقدان نے موجودات عالم کی تحقیق و تفتیش سے باز رکھا، ان پر ایجاد و اختراع کے دروازے بند ہوگئے اور وہ کوئی صنعتی ترقی نہ کرسکے۔

بابر نے اپنی تزک میں سچ لکھا ہے کہ اہل ہند کو مناظر قدرت سے دلبستگی نہیں۔ ہماری بدذوقی کا یہ عالم ہے کہ سولھویں صدی سے آج تک اردو میں علم حیاتیات پر قابل قدر تصانیف کمیاب ہیں۔ علم حیوانات و نباتات پر جو مختصر رسالے یا مطبوعات موجود ہیں ان میں ان علوم کی کافی معلومات نہیں۔ اخبارات و ادبی رسائل کے کالم ان سے خالی نظر آتے ہیں۔

موجودات عالم کا توازن و نشوونما۔ دنیا کے کرہ میں تین حصہ پانی اور ایک حصہ خشکی ہے اگر پانی کی مقدار کا یہ تناسب نہ ہوتا تو اس کے ذریعہ اتنے بخارات نہ پیدا ہو سکتے جو خشکی کو اچھی طرح شاداب کرکے نبات کے وجود کو قائم اور حیوانات کی زندگی کو برقرار رکھ سکتے۔

یہ ربع مسکون موالید ثلاثہ یعنی حیوانات، نباتات و جمادات پر مشتمل ہے۔ جمادات میں پہاڑوں کا حصہ بہت ہے جس میں پتھروں کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔ جو انسان کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ہیں۔ پہاڑوں کے سینے ان تمام معدنیات کا خزانہ ہیں جنکی انسانی تمدن کو اشد ضرورت ہے۔ ان معدنیات کی کمی بیشی بھی انسانی ضروریات کے لحاظ ہی سے رکھی گئی ہے۔ سب سے زیادہ پتھر کا کوئلہ پھر لوہا اور اس کے بعد تانبا ہے۔ چونکہ معدنیات کو پگھلا کر کارآمد بنانے کیلئے پتھر کے کوئلے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اسلئے اس کی مقدار کرہ ارضی میں سب سے زیادہ ہے۔ دیگر معدنیات کی مقدار بھی اسی تناسب سے رکھی گئی ہے۔ جواہرات کی مقدار کم ہے اور سب سے زیادہ غیر ضروری جواہر بہت ہی کمیاب ہیں معدنیات کے علاوہ پہاڑوں سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سطح بحر سے بلندی انھیں سرد ہوا سے ہمکنار کر دیتی ہے جہاں پانی کے بخارات موسم سرما میں منجمد ہو کر روئی کے گالوں کی طرح گرتے اور برف کے انبار لگا دیتے ہیں یہ برف کے تودے موسم گرما میں سورج کی گرمی سے تحلیل ہو ہو کر ہمیشہ دریاؤں کو سیراب کرتے رہتے ہیں پس پہاڑ برف باری کا موجب اور برف دریاؤں کی روانی کا سبب ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس ربع مسکوں میں حیوانات و نباتات کے لئے جمادات کا ہونا ضروری ہے لیکن جمادات کی نشوونما حیوانات کے مقابلہ میں ہزاروں درجہ سست ہے۔ اس لئے اس کے تمام عالم پر کسی زمانہ میں چھا جانے کا امکان نہیں۔ وہ آئے دن انسان کے مصرف میں آتی رہتی ہیں۔ ان میں ایسے ایسے سر بفلک کوہ ہیں جو قیامت تک مسطح نہیں ہو سکتے۔ ان کی سختی میں بھی یہی راز ہے کہ آسانی سے انسان کے تصرف میں نہ آسکیں۔

تمام حیوانات کی زندگی کا دارومدار نباتات پر ہے کیونکہ گوشت خور حیوان جن پرندوں اور چرندوں کو بطور غذا استعمال کرتے ہیں ان کی خوراک نباتات ہی ہے اس لئے نباتات کی نشوونما تیزی کے ساتھ ہے۔ ان کی نشوونما میں بھی ضروریات انسانی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے اسی لحاظ سے اس میں کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ حیوانات کی زندگی قائم رکھنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت گھاس اور غلہ کی ہے۔ گھاس کے پودے جن میں

غلہ کے تمام پودے شامل ہیں بہت جلد نشو و نما پاتے اور پھول پھل کر فنا ہوتے رہتے ہیں۔ سال کا کوئی موسم ایسا نہیں جس میں گھاس اور غلہ نہ پیدا ہوتے ہوں۔ یہی ترکاریوں کا حال ہے جو بہت جلد بڑھتی اور ثمر لاتی ہیں غرض نباتات کی نشو و نما حیوانات کی ضروریات کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔ حیوانات کو جن درختوں کی پیداوار کی روزانہ زندگی میں کم ضرورت ہے ان کی نشو و نما بھی دیر سے ہوتی ہے۔

حیوانات میں بھی آئین فطرت جاری ہے۔ انہیں جو پرند و چرند انسان کی خوراک کے کام آتے ہیں ان کی تولید جلد ہوتی ہے اور وہ بچے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ جن چوپاؤں اور پرندوں کی نظام عالم میں کم ضرورت ہے انکی تولید میں بھی کمی ہے۔ زنابیر پھولوں میں تلقیح یا عمل زیرگی کرتے ہیں اور وہ ہزاروں کرم خور پرندوں کی خوراک ہیں۔ اسلئے ان کی نشو و نما عام حیوانات کے مقابلہ میں بسرعت ہوا کرتی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کرۂ عالم میں خشکی اور تری کے حصے اور خشکی کے حصے میں موالید ثلاثہ کا قیام، انکی بالیدگی اور تولید کمال حکمت و دانائی سے مقرر کیگئی ہے اور موت و حیات کا سلسلہ قائم ہے اگر یہ عمل نہ کیا جاتا تو توازن عالم میں خلل واقع ہوتا۔

موجوداتِ عالم پر ایک نظر۔ اگر موجودات عالم پر ایک سطحی نگاہ ڈالی جائے تو نہ ان میں باہمی ربط و تنظیم نظر آتی ہے نہ کوئی آئین و ضبط کارفرما معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہر تخلیق کو انفرادی طور پر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو وہ فی نفسہٖ آزاد و بے تعلق معلوم ہوتی ہے اور اس کی جزئیات میں بھی تنظیم و ترتیب کا فقدان ہے۔ چاندنی رات میں آسمان پر نظر ڈالیں تو ستارے بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح منتشر دکھائی دیں گے۔ اسیطرح اگر روز روشن میں درخت کے پتوں پر نظر کیجئے تو ان میں بظاہر کوئی ترتیب نظر نہ آئے گی۔ لیکن اگر فضائے بسیط میں کروڑوں سیاروں کا انتشار بے ترتیب ہوتا اور ان کی گردشیں اپنے خاص محوروں پر نہ ہوتیں تو ان میں آئے دن تصادم ہوتا رہتا اور یہ کرۂ زمین کبھی کا فنا ہوگیا ہوتا۔

اسی طرح اگر درختوں کی شاخوں پر پتے بے ترتیب اُگتے تو ان سب کو یکساں ہوا اور روشنی نہ پہونچتی اور تمام نبات فنا ہو جاتی۔ مگر علم الافلاک کا محقق جانتا ہے کہ ستاروں اور سیاروں میں صرف ترتیب و تنظیم ہی نہیں بلکہ ان میں باہمی ربط و کشش بھی ہے۔ آفتاب کی زبردست کشش انھیں اپنی جانب کھینچتی اور اپنے محوروں سے جدا نہیں ہونے دیتی۔ سیاروں کے بڑے مجموعے بُرج کہلاتے ہیں جنیں بارہ بُرج مشہور ہیں سیاروں کی مقررہ گردشیں ایسی باقاعدہ ہیں کہ ان میں ایک سکنڈ کا فرق بھی نہیں آتا اور ستارے اپنے مستقر سے ایک انچ بھی نہیں ہٹ سکتے۔

اسی طرح عالم نباتات جانتا ہے کہ ہر درخت کے پتے شاخوں پر باترتیب ہوتے ہیں ہزاروں لاکھوں پتوں میں ایک پتا بھی بے ترتیب نہیں ہل سکتا۔ کوئی پتا کسی پتے کے اوپر اس طرح سایہ فگن نہیں ہو سکتا کہ اس کی پوری جسامت

گھیرلے، بلکہ اس کا کچھ حصہ دوسرے پتے سے ضرور ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ تاکہ ہر ایک ہوا اور روشنی کے فطری عطیات سے فیض یاب ہو کر درخت کی زندگی کا کفیل ہو۔ ساخت کے لحاظ سے پتوں کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً متوازی نسوں والے پتے جو ایک دال کے بیجوں کے ہوا کرتے ہیں۔ جال دار نسوں کے پتے، مفرد پتے، مرکب پتے، مرکب المرکب پتے وغیرہ انکی ترتیب و نوعیت میں کبھی فرق نہیں آتا جس پودے یا درخت کے لئے جس قسم کے پتے مخصوص ہیں ہمیشہ وہی اس میں بالترتیب نظر آئیں گے۔

حیوانات و نباتات ہی پر کیا منحصر ہے اگر موالید و عناصر کائنات کو بنظر تعمق دیکھیں تو ان میں باقاعدہ ترتیب و تنظیم دکھائی دے گی اور سب آئین فطرت کے پابند نظر آئیں گے۔ اسی آئین فطرت کو قرآن کریم نے اپنی فصیح زبان میں "سنت اللہ" کہا ہے۔

انسان کی سطحی نظر فطرت کی ان باریکیوں پر نہیں جاتی اسے نظام عالم میں ابتری نظر آتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس معمورۂ کائنات میں تنظیم و ترتیب کا فقدان ہے اور باہمی ربط نہیں۔ انسان کا یہی مغالطہ بہت سی گمراہیوں کا موجب ہوا اس نے مظاہرات فطرت کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا ورنہ موالید عالم موتیوں کی لڑی کی طرح وابستہ نظر آتے جنکو خالق یکتا نے اپنے ناقابل ترمیم آئین فطرت کی ڈوری میں کمال دانائی سے پرو رکھا ہے۔

حواس خمسہ کی طرح انسان کا دائرۂ عقل بھی محدود ہے۔ جس طرح ہمارے حواس مقررہ حد سے تجاوز کرکے اپنی قوت ضائع کردیتے ہیں اسی طرح ادراک انسانی کی کیفیت ہے۔ جب انسان کی قوت ناطقہ زبان فطرت سمجھنے سے عاری رہی تو اس نے اپنے زعم باطل میں فطرت کی زبان پر لکنت کا الزام لگایا یا کسی نے اُسے گونگا کہا۔ جب انسان کی قوت باصرہ رموز فطرت کے انکشافات سے عاجز رہی تو اسنے اپنی کم نظری پر پردہ ڈالنے کے لئے فطرت ہی کو نابینا کہہ دیا۔ کوئی اپنی کم فہمی سے اس عالم کو جو گہوارۂ حادثات و تغیرات ہے اور جس کی ہر گردش رات دن لاکھوں انقلابات کا موجب ہے قدیم کہکر مطمئن ہوگیا۔ یہ گروہ خالق کائنات کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھا۔ کسی کی کوتاہ نظری تخلیق ہی تک محدود رہی جس چیز سے اسے کچھ فیض پہنچا اسی کو اپنا خالق سمجھا۔ اس کی چشم بصیرت مبدا فیاض کا سراغ نہ لگا سکی جس کے دست قدرت میں کارخانہ عالم کو چلانے کا پرزہ ہے۔ اور جس کی حکمت بالغہ نے اسے قوت متحرکہ بخشی ہے۔ انسان کے اس مغالطہ نے اسے مادہ پرستی کی طرف مائل کرکے اپنی فطری شرف و عظمت سے محروم کردیا ؎

بُتے خوش گفت روزے با برہمن ⁂ توئی آقائے من اے بندۂ من

موجوداتِ عالم کے مخصوص اوصاف۔ نظام عالم اسقدر مستحکم اور اقتصادیات کے اعلیٰ اصول پر قائم ہے کہ اس سے بہتر ذہن ہی میں نہیں آسکتا۔ اتنے بڑے نظام کے قیام میں جس میں ان کروڑوں جراثیم سے لیکر جو انسان کو بمشکل خوردبین سے نظر آسکتے ہیں، وہیل تک شامل ہے جو آسانی سے ہاتھی کو نگل سکتی ہے، ان سب کی ضروریات زندگی انکے

جسم وجسامت کے مطابق روزانہ پوری ہوتی رہتی ہیں اور کسی کی نشو ونما میں فرق نہیں آتا۔

مبدا فیاض کے عطیات تمام مخلوق پر عام ہیں اور تنظیم و تقسیم کا یہ کمال ہے کہ انکا ادنیٰ جزو بھی ضائع نہیں جاتا بارش کا پانی جو حیوانات و نباتات کے ضروریات سے فاضل ہوتا ہے وہ نالوں کے ذریعہ معاون دریاؤں میں اور دریاؤں سے گذرتا ہوا پھر سمندر میں داخل ہو جاتا ہے۔ موسم خزاں میں جو درختوں کے پتے گرتے ہیں وہ انھیں کا کھاد بن جاتے ہیں۔ حیوانات جو اپنے عمل تنفس سے آکسیجن پھیپھڑوں کے سوراخوں میں جذب کرکے کاربن خارج کرتے ہیں اسپر تمام نباتات کی زندگی کا مدار ہے۔ یہی دوسرے عناصر کا حال ہے۔ موجودات عالم کا ایک ذرہ بھی ضائع نہیں جاتا ہوا ہائیڈروجن۔ نائٹروجن۔ کاربونک ایسڈ گیس وغیرہ سے مرکب ہے۔ اسکے سب اجزاء اپنا جدا جدا کام کرکے پھر فضائے بسیط میں اپنے مقررہ تناسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔ حیوانات جو فضلہ خارج کرتے ہیں وہ نباتات کی رگ رگ کو قوت بخشتا ہے غرض جو چیز ایک ہستی کے لئے غیر مفید و مضر ہے وہ دوسری ہستی کے لئے مفید و کارآمد ہے۔ کفایت شعاری کی اس سے بہتر مثال انسانی ادراک میں نہیں آسکتی۔

اب کفایت شعاری کی دوسری مثال لیجئے۔ حیوانات کی نشو ونما وصحت برقرار رکھنے کیلئے صالح خون کی ضرورت ہے جو ہر لحظہ کثیف ہوتا رہتا ہے۔ اگر حیوانات کے جسموں سے ہر گھڑی غیر صالح خون نکال کر صاف خون بھرنے کی ضرورت پیش آیا کرتی تو اس عمل سے کس قدر خون کی مقدار بیکار جاتی اور کتنی مشکلات کا سامنا ہوتا! انسان تو رات دن اسی شغل میں رہتا اور کوئی دوسرا کام انجام ہی نہ دے سکتا تھا۔ حیوانات کے اجسام میں دوران خون کا عمل اس خوبی سے ہوتا ہے کہ ان کو اسکا علم ہی نہیں ہوتا ہر لحظہ وریدین گندی نالیوں کی طرح کثیف خون لیجاتی ہیں اور وہی خون پھر صاف ہوکر شریانوں کی راہ سے جسم کے ہر حصہ میں دوڑ جاتا ہے۔ کفایت شعاری اور خلاقی کی تیسری صورت غور طلب ہے۔ تمام حیوانات و نباتات جماداتی عناصر سے مرکب ہیں کیونکہ جب ان کے اجسام کا کیمیاوی تجزیہ کیا جاتا ہے تو ان سے یہی عناصر پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی یکساں عناصر ہر ہستی کو اس کی نسل کے اعتبار سے مختلف شکلیں اور رنگ روپ بخش رہے ہیں اور یہی موالید فنا ہوکر پھر جماداتی عناصر میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔

اب کفایت شعاری کا چوتھا پہلو ملاحظہ فرمائیے۔ ایک ایک چیز سے کئی کئی کام لئے گئے ہیں مثلاً ہوا ہے جسکے ہم نے سہولت کے لئے مختلف نام رکھ لئے ہیں۔ بارانی ہوا (مانسون) بادلوں کو جمع کرتی اور انھیں زمین پر برساتی ہے وہی تیز ہوکر بادلوں کو منتشر کر دیتی ہے یہی تیز ہوا گرمی کے موسم میں لُو بنجاتی ہے جس سے زمین کے مسامات کھل جاتے ہیں تاکہ برسات کا پانی خوب جذب ہو سکے۔ اسی ہوا کے جھونکے طوفان بنکر جھاڑو کا کام دیتے اور زمین کا کوڑا کرکٹ صاف کرتے ہیں۔ یہی ہوا بیجوں کو منتشر کرکے نباتات کو جابجا اگانے میں مدد دیتی ہے پھر یہی ہوا ان کو کاربن پہنچاتی ہے۔ اسی ہوا کے نرم جھونکے پھول کھلاتے اور اسی ہوا کے سرد جھونکے موسم خزاں میں خزانی درختوں کو برہنہ

کر دیتے ہیں یہی ہوا آکسیجن پہونچا کر حیوانات کی زندگی کی معاون ہے اور اسی کی لہریں پیغام رسانی کا کام دیتی ہیں انکے علاوہ ہوا کے اثرات اور اس کے دباؤ عجیب و غریب عمل کرتے ہیں جسکے اظہار کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔

آفتاب کو لیجئے۔ خالق یکتا نے اس کرۂ آتش سے کیا کیا کام لئے ہیں اسکی حرارت و جسامت کا تصور بھی انسان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔ ہمارے نظام شمسی میں آٹھ سیارے ہیں جو سب آفتاب ہی کا طواف کرتے رہتے ہیں اور اس کے فیض سے برقرار ہیں آفتاب ہمارے کرہ سے نو کروڑ میل کے فاصلے پر ہے ہمارے کرۂ زمین کا رقبہ بیس کروڑ میل سے کچھ کم ہے مگر آفتاب کی جسامت کے لحاظ سے بمنزلہ صفر ہے کیونکہ اس میں ہماری زمین جیسے دس لاکھ کرے آسانی سے بن سکتے ہیں۔ ہماری زمین جیسے کم و بیش رقبوں کے دوسرے ساتوں کرے بھی آفتاب کے مقابلے میں سرسوں کے دانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ یہی آفتاب اس کرۂ زمین میں اپنی تپش سے سمندر کے پانی کو بخارات میں تبدیل کرکے زمین میں مینھ برساتا ہے جس سے زمین تر ہو جاتی اور مردہ نباتات کو زندگی بخشتی ہے اور اسی کی شعاعیں زمین کی فاضل رطوبت کو خشک کر دیتی ہیں۔ اسی کی شعاعیں نباتات کے مطبخ میں جاکر ایندھن کا کام دیتی اور اسکی غذا پکاتی ہیں۔ پھولوں میں جاکر عطر ساز اور مصور کی خدمات انجام دیتی ہیں یعنی پھول کا موم پگھلا کر اسکی خوشبو مہکاتی اور اسکی نازک پنکھڑیوں پر رنگ چڑھاتی ہیں یہی شعاعیں پھلوں میں جاکر رنگ روپ نکھارتی اور قوام درست کرتی ہیں۔ آبادی میں آکر آفتاب قابل جراح کا فرض انجام دیتا ہے یہاں وہ اپنی شعاعوں کے نشتروں سے جراثیم ہلاک کرتا ہے زمین کے غلیظ و کثیف مادے خشک کرتا ہے۔ یہ اپنے کرۂ آتشیں سے روزانہ کروڑوں ٹن حرارت ذرہ ذرہ میں داخل کرتا رہتا ہے جو موالید ثلاثہ کی نشو و نما اور ان کی حیات کی معاون ہے۔

گل شگفتہ پر نظر ڈالئے حسن معصوم کی زندہ تصویر ہے اس کا نظارہ دل و دماغ کو فرحت بخشتا ہے یہ ہماری محفلوں اور سیجوں کی زینت ہے۔ تتلی اور مختلف کیڑوں کو اسی کے نعمت خانہ سے روزی ملتی ہے۔ اسی کی خوشبودار پنکھڑیوں میں عطر خانے آباد کرنے کا سامان ہے اسی کے زیرے میں نباتات کی بقائے نسل رکھنے کا خزانہ سربمہر ہے اور اسی میں دواخانے بنانے کے لوازم پوشیدہ ہیں۔ انھیں محدودے چند چیزوں پر کیا منحصر ہے کارخانۂ عالم کو بغور دیکھیں تو اسکی ہر کل کے پرزے میں متعدد اوصاف نظر آتے ہیں۔

اب کرۂ زمین سے ہٹ کر جسکے ملمع نظام اور موجودات کے عجیب و غریب خواص کا آپنے کچھ اندازہ لگالیا۔ ذرا اس بسیط فضا کا تصور کیجئے جس کے کسی گوشے تک ہماری نظر کی رسائی نہیں اس میں جو لاکھوں ستارے نظر آتے ہیں وہ سب آفتاب ہیں اور کروڑوں سیارے ان آفتابوں کا طواف کر رہے ہیں جن میں ہزاروں ماہتاب بھی شامل ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے نظام شمسی کی طرح بے انتہا نظام شمسی اور بھی ہیں جنکی معرفت سے ہم عاجز ہیں۔ ان کے علاوہ قبہ فلکی میں بعض اجرام روشن بادلوں کی طرح ایسے بھی ہیں جو نہ شمس و قمر ہیں نہ انکو نجوم کہا جاسکتا ہے۔ قدما میں ابو الحسن صدفی نے جو اہل عرب میں فلکیات کا بہت بڑا ماہر تھا ان اجرام فلکی پر کچھ روشنی ڈالی ہے اس نے انکو "لطخۂ سحابیہ" لکھا ہے عربی کی جدید اصطلاح میں انھیں سدیم

کہتے ہیں۔ جس وقت تک دوربین ایجاد نہ ہوئی تھی یہ اجرام دُخانی یا سَدیم فلک نہایت پیچیدہ معمہ بنے رہے جب گلیلو نے دوربین بنا کر اسکی مدد سے کہکشاں کو دیکھا جسمیں بے شمار اجرام سدیمی پائے جاتے ہیں تو اس نے اپنی تحقیق و مشاہدہ سے یہ ثابت کیا کہ حقیقتاً کہکشاں بے شمار ستاروں کا مجموعہ ہے جو اپنی قربت کے سبب جدا جدا نظر نہیں آتے سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں نیوٹن نے دوربین عاکس ایجاد کی اسکی مدد سے وہ باتیں معلوم ہونے لگیں جو اس سے قبل غیر معلوم تھیں۔ اور ثابت ہوا کہ خدا معلوم کتنے سدیمی اجرام مختلف اشکال کے ہیں اور مختلف حالتوں سے گذر رہے ہیں!!

دراصل ہر سدیم ہماری کہکشاں کیطرح ایک مستقل کائنات ہے اور اسطرح ہزاروں لاکھوں سدیم فضائے بسیط میں پائے جاتے ہیں وہ اجرام سدیمی جو کہکشاں سے ماوراء ہیں انکا مشاہدہ پروفیسر ہبل امریکی نے خصوصیت کے ساتھ کیا ہے اور چار سو سدیمی اجرام کا حال معلوم کر لیا ہے۔ پروفیسر مذکور کا بیان ہے کہ ان اجرام میں بعض کی کوئی خاص ہیئت و صورت نہیں ہے لیکن اکثر چکر دار ہیں یا بیضوی شکل کے ہیں یہ اجرام ۹ لاکھ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں اور ان کی رفتار ۳۰۰ کلومیٹر فی سکنڈ ہے اور بعض ۶۰۰ کلومیٹر فی سکنڈ کی رفتار سے حرکت کرتے ہیں۔ ان سدیمی اجرام میں سے ایک چکر دار جرم ہمارے آفتاب سے دو ارب گنا بڑا ہے اور اسکا ایک چکر ایک کروڑ ستر لاکھ سال میں پورا ہوتا ہے!

اب آپ خدائے قادر و توانا کی عظمت و جلال حکمت و فراست اور قدرت کاملہ کا تصور کیجئے جو ان سب کا خالق و مالک ہے

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ○ (سورہ یونس)

مخلوق سے خالق کا سراغ۔ کیا کوئی موٹی عقل کا انسان بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام نظام شمسی اور سدیم اجرام خود بخود یا اتفاق سے پیدا ہو گئے ہیں! ہر آفتاب میں آگ کا سمندر خود ہی شعلہ زن ہونے لگا اور اسمیں قوت ثقل اتفاق سے پیدا ہو گئی؟ تمام کروں اور اجرام فلکی نے فضائے بسیط میں اپنے ایسے محور قائم کر لئے جنکے ذریعہ آپسمیں متصادم نہ ہوں اور وہ خود ہی معلق ہو کر گھومنے لگے! کیونکر تسلیم کر لیا جائے کہ نظام کائنات کے استحکام کیلئے آئین فطرت خالق فطرت نے نہیں مقرر کیا ہے بلکہ حیوانات و نباتات وغیرہ نے خود ہی اپنے مفاد کیلئے مقرر کیا اور وہ خود ہی ایک دوسرے کی بقا کیلئے محنت شاقہ برداشت کر رہے ہیں! اور تمام موالید و عناصر خود ہی جانثار ہمدرد بنکر انہیں فیض پہونچا رہے ہیں!۔ کائنات اور نظام عالم پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ راز آشکار ہو جاتا ہے کہ ان سب کا خالق ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ ہمیں آئین فطرت میں کہیں کوئی تناقض نظر نہیں آتا۔ ایک ہی قانون حیوانات و نباتات پر نافذ ہے اور سب اپنے پروردگار کے عطیات سے یکساں مستفید ہو کر اپنی مجوزہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اگر موالید عالم کے مختلف خدا ہوتے تو انمیں اسقدر گہرا ربط نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ایک کی زندگی دوسرے کی بقا پر منحصر ہو اور اگر خالق بقا اور خدائے فنا دو ہوتے تو نظام کائنات مختلف ہوتا اور خدائے فنا تنازع للبقا کا سلسلہ جسکی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہرگز برداشت نہ کر سکتا تھا جو اسکی صریحاً توہین اور اسکے خلاف کھلی ہوئی بغاوت ہے

تنازع للبقا۔ محض طبعی موت کا سلسلہ معمورۂ جہان میں حیوانات ونباتات کا صحیح توازن قائم نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ طبعی موت ہرہستی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد ہی واقع ہونی چاہیے ورنہ اسکا اصلی مقصد ہی فوت ہوجائیگا اور بقائے نسل کی کوئی صورت نہ رہیگی۔ ارتقائی منزلیں طے کرنے کیلئے کافی مدت درکار ہے۔ بنا بریں معمورہ کا صحیح توازن قائم رکھنے کیلئے جسمیں کروڑوں قسم کے نباتات وحیوانات ہیں اور ہر نوع کی تعداد بے شمار ہے یہی صورت ہوسکتی ہے کہ ایک کی فنا پر دوسری کی بقا کا انحصار ہو اور اسمیں اس خوبی سے تناسب قائم کیا جائے کہ مختلف موجودات کی بقا اور ضرورت کیلئے جن موالید کی زیادہ ضرورت ہو انکی نشوونما بھی جلد ہوتی رہے تاکہ وہ فنا ہوکر ان کی زیست کا موجب بنتی رہیں اور بالکل نیست و نابود نہ ہوجائیں لیکن اس صورت کو برقرار رکھنے کیلئے ہر نوع میں اپنی ذاتی تحفظ کی جدوجہد زندگی قائم رکھنے کی قوت ہونی ضروری ہے اگر قوت مدافعت عام نہ ہوتی تو معمورۂ جہان میں پرندوں میں صرف شکاری پرندا ور چوپاؤں میں صرف درندے ہی زندہ رہ سکتے ہیں وہ رفتہ رفتہ انسان اور تمام دوسرے حیوانات کو ہضم کرجاتے اور جب یہ ذخیرہ ختم ہوجاتا تو خود بھوکے رہ کر یا آپس میں لڑ بھڑ کر مرجاتے پھر دنیا میں کوئی متحرک ہستی باقی نہ رہتی اور چونکہ نباتات کا کوئی مصرف رہتا اور نہ انہیں حیوانات سے کاربن میسر آتا پس تمام عالم ریگستان بنکر رہ جاتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ معمورہ عالم کا صحیح توازن قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ایک کی فنا دوسری کی بقا کا موجب ہو لیکن جب تک ہرہستی میں کشمکش حیات کے لئے قوت مدافعت نہ ہو اس آئین فطرت پر اعتدال کے ساتھ عمل نہیں ہوسکتا۔

اس تقاضائے فطرت کے باوجود اگر حیوانات کی زندگی کا توازن بڑھ جاتا ہے تو اسے معینہ تعداد میں لانے کیلئے وبائی امراض پھیلتے اور ارضی وسماوی آفات نازل ہوتی رہتی ہیں۔

نباتات وحیوانات انسان ہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ نباتات کو غذا کے لئے زمین کے معدنی اجزاء کے علاوہ کاربن اور فضلے کی ضرورت ہے ان دونوں میں کاربن باشد ضروری ہے کیونکہ حیوانی فضلہ تو اسی وقت بحالت مجبوری دیا جاتا ہے جب زمین میں معدنی اجزاء کا تناسب کم ہوجاتا ہے اور یہ تناسب اسی وقت کم ہوتا ہے جب زمین پر نباتات کی بالیدگی کا ضرورت سے زیادہ بار ڈالا جاتا ہے مگر کاربن اور حیوانی فضلہ نباتات کو انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات سے بھی مل سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان کے مقابلہ میں دوسرے حیوانات کی تعداد کہیں زیادہ ہے اس لئے انسان کی ہستی نباتات کے لئے ضروری نہیں۔

اب رہے حیوانات وہ اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے صرف نباتات کے محتاج ہیں۔ انسان ان کے کسی مصرف میں نہیں آسکتا۔ مگر انسان کی زندگی و آسائش کے لئے حیوانات ونباتات دونوں ضروری ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں موالید صرف انسان کے مصرف ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور انسان انہیں ہر صورت سے اپنے مصرف میں لانیکا حقدار ہے۔

میرزائے قادیان کے دعاوی کی حقیقت

قادیانی مذہب پر محققانہ تبصرہ

(از مولانا عزیز احمد صاحب (بی۔ اے جامعہ۔ فاضل دیوبند) مبلغ دارالعلوم دیوبند)

"شملہ سے ایک مخلص مسلمان نے ایک قادیانی پمفلٹ بھیجکر خواہش کی تھی کہ اس پمفلٹ کے مندرجات کا کافی جواب تحریر کر دیا جائے، تاکہ میں اپنے ایک نوجوان قادیانی دوست کو جو اکثر مذہبی معاملات پر مجھسے گفتگو کرتے رہتے ہیں، اس جواب کی روشنی میں راہ راست پر لانے کی کوشش کر سکوں۔

چنانچہ مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے (جامعہ) فاضل دیوبند مبلغ دارالعلوم دیوبند نے نہایت شائستہ اور سنجیدہ جواب لکھکر صاحب موصوف کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا۔

چونکہ یہ تحریر اپنی افادیت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ عام مسلمان اسکا مطالعہ کریں اور قادیانی فتنہ سے نہ صرف خود محفوظ رہیں بلکہ دوسرے ناواقف مسلمانوں کو بھی گمراہی سے بچانے کی کوشش کر سکیں اسلئے ہم اسے رسالہ دارالعلوم میں شائع کر رہے ہیں، امید ہے کہ اسکا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا" (مرتب)

محترمی و معظمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپکا گرامی نامہ ۱۸ مارچ ۵۷ء کو ملا تھا، مگر کثرت کار کیوجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی امید ہے کہ معاف فرمائیں گے، ذیل میں مرسلہ اشتہار کا جواب نمبروار مذکور ہے پہلے دعاوی کی فہرست تحریر کرتا ہوں۔

مرزا صاحب کا پہلا دعوٰے یہ ہے "ہمارا ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں میں کوئی نبی نہیں جو صاحب شریعت ہو (ریویو مباحثہ چکڑالوی)

دوسرا دعوٰے ہے کہ "آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ کوئی نئی شریعت لانیوالا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو آپ کی امت سے باہر ہو" (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۹)

تیسرا دعوٰے ہے کہ ”میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوٰے کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

چوتھا دعوٰے ہے ”ہم نبی ہیں! ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے، ایسے دعوٰے کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں“ (اخبار بدر جلد ۷ ص۹ ۱۹۰۸ء)

پانچواں دعوٰے ہے کہ ”یہ الزام جو مجھ پر لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعوٰے کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کیطرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت کی اقتدار اور مطابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام صحیح نہیں بلکہ ایسا دعوٰے نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے ...... جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالٰی کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی خبریں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آیندہ زمانوں کے وہ راز میرے اوپر کھولتا ہے کہ جبتک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا اور انہی امور کی کثرت کیوجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے، سو میں خدا کے حکم کے مطابق نبی ہوں۔ (مکتوب آخری اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

چھٹا دعوٰے یہ ہے ”جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے، رسول اور نبی ہوں (ایک غلطی کا ازالہ)۔

پہلے دعوٰے کو لیجئے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ”ہمارا ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں جو صاحب شریعت ہو“ یعنی مرزا صاحب کے نزدیک ان معنوں سے آنحضرت کے بعد بھی نبی ہو سکتا ہے کہ وہ صاحب شریعت نہ ہو، صاحب شریعت نہ ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اس پر نہ وحی آتی ہو اور نہ افاضۂ علوم کیا جاتا ہو، اس صورت میں نبوت کے کوئی معنی نہیں ہوئے، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ان انبیائے متاخرین پر وحی آتی اور افاضۂ علوم کیا جاتا، اب اگر یہ علوم وہی علوم محمدی ہوتے تو.

بشہادت آیۃ و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی جس سے مراد جامعیت علوم ہے کسی وحی کی کیا ضرورت تھی، اور اگر یہ علوم علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تبیانا لکل شئی ہونا غلط ہو جاتا، چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند جن کے قول سے خلیفہ صلاح الدین صاحب بھی استدلال فرماتے ہیں اپنی کتاب تحذیرالناس کے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور انبیا موصوف بالعرض، اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیائے متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا۔ حالانکہ خود فرماتے ہیں ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا، اور کیوں نہ ہو، یوں نہ ہو تو اعطاء دین منجملہ رحمت نہ رہے آثار غضب میں سے ہو جائے۔

اور انبیائے متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیائے متاخرین پر وحی آتی اور افاضۂ علوم کیا جاتا، ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ محکم انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون کے جو بنسبت اس کتاب کے جسکو قرآن کہتے اور بشہادۃ آیۃ و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی اور اگر علوم انبیائے متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تبیانا لکل شئی ہونا غلط ہو جاتا۔"

چنانچہ مرزا صاحب کا پہلا دعویٰ غلط ہے۔

دوسرے دعویٰ کا پہلا جزو یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں سے خاتم الانبیاءؑ ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں،" اس جزو کو تسلیم کر لینے کے یہ معنی ہوئے کہ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت رتبی کو تسلیم کر لیا اب دیکھنا چاہئے کہ خاتمیت رتبی کے لئے خاتمیت زمانی بھی ضروری ہے یا نہیں، چنانچہ پہلے دعویٰ کے جواب میں تحذیرالناس کی جو عبارت نقل کیگئی ہے اس کے بعد حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اسی صفحہ پر فرماتے ہیں: "بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لئے ایسی ہی کتاب جامع چاہیئے تھی تاکہ علو مراتب نبوت جو لاجرم علو مراتب علمی ہے چنانچہ معروض ہو چکا میسر آئی ورنہ یہ علو مراتب نبوت بیشک ایک قول دروغ اور حکایت غلط ہوتی ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔"

دوسرے دعوی کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے "اور دوسرے کوئی نئی شریعت لانیوالا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو آپ کی امت سے باہر ہو"

اس ٹکڑے کا مفہوم مخالف اگر لیا جائے تو اس ٹکڑے کے یہ معنی ہوئے کہ مرزا صاحب کے نزدیک کوئی ایسا رسول ہو سکتا ہے جو نئی شریعت لانیوالا نہ ہو اور کوئی ایسا نبی بھی ہو سکتا ہے جو آپکی امت میں ہو۔ جب پہلے ٹکڑے پر مرزا صاحب کا ایمان و اعتقاد ہے تو یہ دوسرا ٹکڑا خود بخود باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ تحذیر الناس کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔

اب تیسرا دعوی ملاحظہ ہو "میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہے" لیکن اسی کے ساتھ ساتھ صاحب الشریعۃ ہونے کا دعوے بھی کر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اگر کہو کہ صاحب الشریعۃ افترا کرکے ہلاک ہوتا ہے۔ نہ ہر ایک مفتری۔ تو اول تو یہ دعوے بے دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی، ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعۃ ہو گیا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی (صفحہ ۶ رسالہ اربعین ۴)۔

دوسرے مقامات پر یہی مرزا صاحب نبی نہیں بلکہ محدث ہونیکا دعوے کرتے ہیں، چنانچہ عبارت ذیل ملاحظہ ہو "ابتدا سے میری نیت جس کو اللہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلم مراد لئے ہیں یعنی محدثوں کی نسبت فرمایا گیا قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء الخ اشتہار ہذا در صفحہ ۹۱/۹۲ حقیقۃ النبوۃ مصنفہ میاں محمود احمد)

دوسری جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں "نبوت کا دعوے نہیں بلکہ محدثیت کا دعوے ہے جو بحکم خدا کیا گیا (صفحہ ۴۲۲/۱۲۴ ازالہ ط ۱/۲)

مذکورہ بالا دونوں اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے دعوے نبوت نہیں کیا ہے بلکہ محدثیت کا دعوے کیا ہے، اس سے تیسرا دعوی تو خود انکے اقوال سے باطل ہو گیا۔

اپنے تیسرے دعوے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ "میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ مخاطبۂ آلہیہ ہے" گویا مرزا صاحب کے نزدیک جس سے اللہ تعالےٰ کثرت سے کلام فرمائیں اسکا نبی ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ حدیث قد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیران یکونوا انبیاء جس کو مرزا صاحب ایک دوسرے موقع پر اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس سے اللہ تعالےٰ کلام کرے وہ نبی ہی ہو، چنانچہ اس حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے (ان لوگوں میں سے جو تم سے قبل تھے بعض لوگ ایسے تھے اللہ تعالےٰ ان سے کلام کرتا تھا حالانکہ وہ نبی نہیں تھے) لہذا یہ تیسرا دعوےٰ بھی باطل ہوگیا۔

چوتھے دعوے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ "ہم نبی ہیں ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے، ایسے دعوے کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں" مگر تیسرے دعوے کے جواب میں ان کا جو قول ادعائے نبوت تشریعی کے بارے میں نقل کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اس دعوے کے خلاف وہاں دعوے کیا ہے صاحب الشریعۃ ہونیکا اب اس قول کو اس چوتھے دعوے کیساتھ جمع کیجئے تو مرزا صاحب خود اپنے فتوے کے مطابق مرتکب کفر ٹھہرتے ہیں۔

پانچویں دعوے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں "جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالےٰ .... کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے، اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی خبریں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آیندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جبتک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا" اس دعویٰ میں اول جزو تو یہ ہے کہ چونکہ "میں خدائے تعالےٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میری باتوں کا جواب دیتا ہے" اس لئے میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں" دعوے کے اس جزو کے ابطال کے لئے مذکورہ بالا حدیث قد کان فیمن قبلکم الخ کافی ہے۔ دوسرا جزو یہ ہے کہ چونکہ وہ (اللہ تعالےٰ) "بہت سی غیب کی خبریں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آیندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جبتک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا" لہذا میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں اس جزو کے متعلق اول تو یہ چیز قابل بحث ہے کہ کیا ہر وہ شخص جس پر اللہ تعالےٰ غیب کی خبریں ظاہر فرمائے نبی ہو جاتا ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ملاحظہ ہو جسکے حوالہ جات خلیفہ صلاح الدین کے نزدیک بھی معتبر ہیں، چنانچہ امام شعرانی وحی الالہام کی تشریح یوں فرماتے ہیں "صورتہ ان الحق تعالیٰ اذا اراد ان یوحی الی ولی من اولیائہ بامر ما تجلی الی قلب ذلک الولی فی صورۃ ذلک الامر فیفہم من ذلک الولی التجلی بمجرد مشاہدتہ مایرید الحق تعالیٰ ان یعلمہ ذلک الولی بہ من تفہیم معانی کلامہ او کلام نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فرہناک یجد الولی فی نفسہ علم ما لم یکن یعلم من الشریعۃ قبل ذلک۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اولیاء کو اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعہ بہت سی غیب کی باتوں سے مطلع کرتا ہے لہذا اگر کسی کو غیب کی خبر اللہ تعالیٰ دے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوسکتے کہ وہ نبی ہوگیا بفرض محال اگر یہ مان بھی لیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ غیب کی خبروں سے مطلع فرمائے وہ نبی ہوجاتا ہے تو آیئے دیکھیں کہ مرزا صاحب کے الہامات اور پیشین گوئیوں کی کیا حقیقت تھی آیا ان کو انباء غیب میں سے کہنا صحیح بھی ہوسکتا ہے یا نہیں، چنانچہ ۱۸۹۳ء میں امرتسر میں عیسائیوں سے مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا جو پندرہ یوم تک ہوتا رہا جس میں مرزا صاحب فتح نہ پاسکے تو آخری دن یہ پیشین گوئی کی "آج رات جو مجھ پہ کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جبکہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے تیرے ہیں... تو اس نے مجھے یہ نشان دیا کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کیطرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی عزت ظاہر ہوگی" (فتح الاسلام) مصنفہ مرزا صاحب)

اس کے اگلے صفحہ پر مرزا صاحب فرماتے ہیں "میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹ نکلے یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ (۵ار جون ۱۸۹۳ء) سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہرایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں مجھ کو ذلیل کیا جاوے...... میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور وہ ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔

اس کے بعد مرزا صاحب کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں "عبداللہ آتھم کی درخواست پر پیشین گوئی

صرف اس کے واسطے تھی کل متعلقین مباحثہ کی بابت پیشین گوئی نہ تھی،، (صـ ۱۳ کتاب البریت مصنفہ مرزا صاحب) اسی طرح ایک جگہ اور فرماتے ہیں۔

،، دراصل ابتدا سے ہمارا علم یہی تھا کہ اس پیشین گوئی کا مصداق صرف آتھم ہے ہماری نیت میں کبھی کوئی اور نہ تھا ہاں دوسروں پر ہم نے اثر دیکھا اور نہ یہ کہیں نہیں لکھا کہ جیسا عبداللہ آتھم اس پیشنگوئی میں شریک ہے دوسرے بھی شریک ہیں، اسی لئے ہماری پوری اور اصل توجہ صرف آتھم کی طرف رہی اور اب تک اسی کو اصل مصداق پیشنگوئی کا سمجھتے ہیں (صـ ۲۶ کتاب البریت ۱۸۹۸ء) عبداللہ آتھم اس پیشین گوئی کے باوجود نہیں مرا تو مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

،، آتھم کی پیشین گوئی ہماری ذاتی رائے تھی اصل پیشین گوئی میں ہاویہ کا لفظ ہے اور پیشین گوئی کے دنوں میں عبداللہ آتھم کا ڈرتے رہنا اور شہر بشہر بھاگتے پھرنا ہی اس کا ہاویہ ہے (مفہوم صـ ۵/۲ انوار الاسلام وغیرہ) کیا انباء الغیب کے یہی معنی ہیں؟ منصف مزاج حضرات خود فیصلہ کریں۔ صرف ایک پیشین گوئی کا ذکر کرنا کافی ہے، اگر اور کی حاجت ہو تو دیکھئے کتاب قادیانی مذہب (مصنفہ محمد الیاس برنی) اس سے واضح ہو گیا کہ مرزا کا پانچواں دعوے بھی غلط ہے۔

مرزا کا چھٹا دعوے یہ ہے ،، جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں ... مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لئے اس کا نام پاکر اسکے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں. پانچویں دعویٰ کے ابطال میں جو مضمون عرض کیا گیا وہی یہاں بھی کافی ہے۔

اب آیئے بزرگوں کے ان اقوال کی طرف. جو خلیفہ صلاح الدین صاحب نے ختم نبوت زمانی کے رد میں پیش کئے ہیں۔

(۱) مرزا صلاح الدین صاحب نے ابن ماجہ کی روایۃ لو عاش ابراھیم لکان نبیاً پیش کرکے ملا علی قاریؒ کی حسب ذیل عبارت پیش کرتے ہیں۔ قلت مع ھذا لو عاش ابراھیم وصار نبیاً وکذا لو صار عمر نبیاً لکان من اتباعہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ینافی قولہ خاتم النبیین اذا المعنی انہ لایاتی نبی ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ۔

ترجمہ:- میں کہتا ہوں اس کے ساتھ اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے نیز اگر حضرت عمر نبی ہو جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہی سے ہوتے ... بس یہ آیتہ خاتم النبیین کے مخالف نہیں کیونکہ خاتم النبیین

کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔"

ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بانی دارالعلوم کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے، جس کو خلیفہ صلاح الدین بھی بطور سند پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا موصوف اپنی کتاب تحذیر الناس کے صہ۹ پر فرماتے ہیں۔

"تقدم تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی یہ تین نوعین ہیں باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مولانائے موصوف تاخر مرتبی ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض" (تحذیر الناس صہ)

چنانچہ مولانائے موصوف اسی مفہوم کو خاتمیت کے معنی میں لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔ "تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر سب سے پہلے مبعوث ہوتے جب بھی آپ وصف نبوت میں موصوف بالذات ہوتے اگر درمیان میں تشریف لاتے جب بھی موصوف بالذات بوصف نبوت ہوتے اور سب سے آخر میں تشریف لائے جب بھی موصوف بالذات بوصف نبوت ہیں۔

چنانچہ اگر آپ کے صاحبزادے ابراہیمؓ یا حضرت عمرؓ نبی ہوجاتے جب بھی آپ کی خاتمیت مرتبی میں کچھ فرق نہ آتا اور یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عامل ہوتے اور اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہنا صحیح ہوتا، اس سے معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء سابقین پر فضیلت اس بات میں نہیں ہے کہ آپؐ سب سے آخری نبی ہیں کیونکہ آخری نبی کا ہونا بالذات کچھ فضیلت نہیں رکھتا آپ کی فضیلت بایں معنی ہے کہ آپ وصف نبوت سے بالذات موصوف ہیں اور باقی انبیاء بالعرض یعنی تمام انبیاء میں نبوت آپکے واسطے سے آئی، ملا علی قاریؒ اسی مضمون کو مذکورہ بالا عبارت کے ذریعہ سمجھانا چاہتے ہیں، جب یہ چیز مان لی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور باقی انبیاء کی بالعرض جس کا اعتراف خود مرزا صاحب بایں الفاظ کرتے ہیں کہ آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں۔" (ضمیمہ چشمہ معرفت صہ۹) تو خاتمیت زمانی خود بخود ثابت ہوجاتی ہے جیسا کہ حضرت نانوتویؒ تحذیر الناس کے صہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

" بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض، اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیائے متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا حالانکہ خود فرماتے ہیں ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا اور کیوں نہ ہو، یوں ہو تو اعطاء دین منجملہ رحمت نہ رہے آثار غضب میں سے ہو جائے۔ ... اور انبیائے متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیائے متاخرین پر وحی آتی اور افاضۂ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی، سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدۂ محکم انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون جو بسنت اس کتاب کے جس کو قرآن کہئے اور بشہادت آیۃ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی اور اگر علوم انبیائے متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تبیانا لکل شئ ہونا غلط ہو جاتا بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لئے ایسی ہی کتاب جامع چاہیئے تھی تاکہ علوم مراتب نبوت جو لاجرم علوم مراتب علمی ہے چنانچہ معروض ہو چکا میسر آئی ورنہ یہ علوم مراتب نبوت بیشک ایک قول دروغ اور حکایت غلط ہوتی ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے،، اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ ملا علی قاریؒ کی جو عبارت نقل کیگئی اس کا اصل مطلب کیا ہے۔

(۲) اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے خلیفہ صلاح الدین نے دوسرا قول شیخ محی الدین ابن عربی کا نقل کیا ہے چنانچہ شیخ موصوف فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۳ میں فرماتے ہیں، ان النبوۃ التی انقطعت بوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ھی نبوۃ التشریع لا مقامھا فلا شرع یکون ناسخا لشرعہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یزید فی شرعہ حکما وھذا معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی یکون علی شرع یخالف شرعی بل اذا کان یکون تحت حکم شریعتی ولا رسول ای لا رسول بعدی الی احد من خلق اللہ بشرع یدعوھم الیہ فھذا ھو الذی انقطع وسد بابہ لا مقام النبوۃ

ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے جو نبوت بند ہوئی ہے وہ تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی یا اس میں کسی قسم کی ایزادی کرنے والی کوئی شریعت نہ ہوگی اور آنحضرت کے اس ارشاد کی کہ،، میرے بعد نبوت و رسالت بند ہوگئی اور میرے بعد اب نبی اور رسول نہ ہوگا،، کا یہی مطلب ہے، کہ کوئی ایسا نبی نہ ہوگا جو میری

شریعت کے خلاف ہو، بلکہ جب ہوگا میری شریعت کے ماتحت ہوگا اسی طرح کوئی ایسا رسول نہ ہوگا جو نئی شریعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے، پس نبوت کے منقطع ہونے اور اس کے دروازے کے بند ہونے کے یہ معنی ہیں نہ یہ کہ مقام نبوت اب کسی کو مل نہیں سکتا۔"

شیخ کی مذکورہ بالا عبارت کا مفہوم سمجھنے کیلئے خود شیخ ہی کی دوسری عبارتوں کو دیکھئے چنانچہ فتوحات کی جلد ثانی ۵۸ پر تحریر فرماتے ہیں زال اسم النبی بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم، (ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نبی کا نام اٹھا لیا گیا۔ یعنی آپ کے بعد اب کسی شخص کو نبی کے لقب سے نہیں پکار سکتے) پھر نصوص الحکم نص حقیقت محمدیہ میں لکھتے ہیں "اور نبوت تشریع کے منقطع ہونے اور دائرہ نبوت کے پورا ہونے (نبوت غیر تشریع کے ختم ہونے) اور باطن سے ظاہر کی طرف ولایت کے منتقل ہونیکو قطبیت مطلقہ اولیاؤں کی طرف منتقل ہوگئی، اب اس مرتبہ میں ان لوگوں سے ایک شخص ہمیشہ اسکی جگہ میں رہیگا تاکہ یہ ترتیب اور یہ انتظام اس کے سبب سے باقی رہے۔" پھر نصوص الحکم کے مقدمہ کے ص۵ پر فرماتے ہیں کہ اسی واسطے نبوت ختم ہو چکی ہے اور ولایت ہمیشہ باقی رہیگی۔"

اب ان اقوال کو ملا کر دیکھئے شیخ محی الدین عربیؒ فرماتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ آپ کے بعد نبی کا لفظ اٹھا لیا گیا ہے اور نبیوں کے فرائض کی انجام دہی اولیائے کے سپرد کر دیگئی ہے چنانچہ اب ہمیشہ نبوت کے ان فرائض کو انجام دینے کے لئے ایک شخص رہا کرے گا جو اولیاء کے گروہ میں سے ہوگا مگر وہ اپنے آپ کو نبی نہیں کہہ سکتا۔

(۳) بعد ازاں خلیفہ صاحب نے امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنی تائید کے لئے نقل فرمایا ہے۔ "وقوله صلی اللہ علیه وسلم لا نبی بعدی ولا رسول المراد به لا مشرع بعدی (الیواقیت والجواہر صفحہ ۴۲ جلد ۲) ترجمہ:۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی تشریعی نبی نہ ہوگا۔"

اسی کتاب میں اسی صفحہ پر نبوت کا ذکر کرتے ہوئے امام شعرانی فرماتے ہیں "وهذا باب اغلق بعد موت محمد صلی اللہ علیه وسلم فلا یفتح لاحد الی یوم القیامة ولکن بقی للاولیاء وحی الالهام الذی لا تشریع فیه" ترجمہ:۔ اور یہ دروازہ (یعنی نبوت کا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد بند ہو چکا پس یہ قیامت تک کسی شخص کے لئے بھی نہیں کھلیگا ہاں اولیاء کے لئے الہامی وحی باقی رہ گئی ہے جو غیر تشریعی ہے۔"

امام شعرانی رح کے پہلے قول کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور اسی مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے خلیفہ صلاح الدین نے مرزا صاحب کو غیر تشریعی نبی ثابت کیا ہے لیکن امام شعرانی رح کے دوسرے قول میں تصریح ہے کہ نبوت کا دروازہ تو قیامت تک کے لئے بند کر دیا گیا ہاں الہامی وحی جو غیر تشریعی ہے ابتک باقی رہ گئی ہے جو اولیاء کے لئے ہے، چنانچہ امام شعرانی رح کے نزدیک غیر تشریعی وحی جس پر نازل ہوگی وہ ولی ہوگا نبی نہیں ہوگا۔

امام شعرانی رح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اسی مضمون کے ماتحت ذکر فرماتے ہیں:۔ اوتی الانبیاء اسم النبوۃ واوتینا اللقب ای حجر علینا اسم النبی مع الحق تعالیٰ یخبرنا فی سرائرنا بمعانی کلامہ وکلام رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم ویسمی صاحب ھذا المقام من الانبیاء الاولیاء فغایتہ نبوتھم التعریف بالاحکام الشرعیۃ حتی لا یخطئوا فیھا لا غیر" ترجمہ:۔ انبیاء کو نبوت کا نام عطا کیا گیا تھا اور ہم کو لقب عطا کیا گیا ہے۔ یعنی ہم پر سے نبی کا نام اٹھالیا گیا ہے باوجودیکہ حق تعالیٰ ہمیں اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے معنی کی بذریعہ الہام خبر دیتا ہے اور انبیاء کے اس مقام پر پہونچنے والے شخص کو ولی کہتے ہیں پس اس کے نبوۃ کی انتہا احکام شرعیہ کا اس طرح سمجھنا ہے کہ وہ اس میں کوئی غلطی نہ کرے اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں" الیواقیت والجواہر صفحہ ۳۴
غیر تشریعی نبوت کی حقیقت اس عبارت سے واضح ہوگئی۔

(۴) عارف ربانی سید عبدالکریم جیلانی علیہ الرحمۃ کا یہ قول بھی خلیفہ صاحب نے نقل کیا ہے، فانقطع حکم نبوۃ التشریع بعدہ وکان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین "یعنی نبوت تشریعی کا حکم بند ہو چکا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں" اس قول کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ نبوت غیر تشریعی کا حکم بند نہیں ہوا۔ اور اسی مفہوم کو لیکر خلیفہ صاحب نے مرزا کے لئے غیر تشریعی نبوت ثابت کی ہے، مذکورہ بالا عبارت جو امام شعرانی کی طرف سے پیش کیگئی ہے اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ غیر تشریعی نبوت کے مدعی کو کسی حال میں نبی نہیں کہہ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ولی کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔ یہ دلیل بھی باطل ہوگئی۔

(۵) اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی عبارت جس کو خلیفہ صاحب نے پیش کیا ہے، اسے ملاحظہ فرمائیے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "ختم بہ النبیون ای لا یوجد من یامرہ اللہ سبحانہ بالتشریع علی الناس" ترجمہ:۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد ایسا شخص نہیں ہو سکتا جسے خدا تعالیٰ شریعت دیکر لوگوں کی طرف مامور کرکے بھیجے)۔

اس عبارت کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسا شخص ہو سکتا ہے جسے بغیر شریعت دیئے ہوئے اللہ تعالےٰ لوگوں کی طرف مامور کر کے بھیجے یہی مفہوم مخالف لیکر خلیفہ صاحب نے مرزا صاحب کی غیر تشریعی نبوت ثابت کی ہے۔ غیر تشریعی نبوت کی حقیقت امام شعرانی کے قول سے معلوم ہو گئی، اس دلیل سے بھی یہ ثابت ہوا کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو نبی تو کسی حالت میں بھی نہیں کہلا سکتے البتہ ولایت کا دعوےٰ کر سکتے ہیں، ان کی ولایت کے متعلق انشاء اللہ آئندہ عرض کروں گا۔

(۶) اب دیکھیئے کہ مولوی عبدالحئی صاحبؒ لکھنوی کی عبارت کا کیا مفہوم ہے، مولوی صاحبؒ فرماتے ہیں "علماء اہل سنت بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت کے اثر میں کوئی نبی صاحب شریعت جدیدہ نہیں ہو سکتا اور نبوت آپکی تمام مکلفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ کے ہمعصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے" دوسری جگہ فرماتے ہیں "کیونکہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانہ میں آنحضرتؐ کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحب شرع جدید البتہ ممتنع ہے" اس عبارت کا مفہوم سمجھنے کے لئے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جو میں نے اس سے قبل پیش کی ہے، مولانا عبدالحئی صاحبؒ کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ ٹکڑا "نبوت آپؐ کی تمام مکلفین کو شامل ہے" یہ ثابت کرتا ہے کہ آپؐ کیلئے خاتمیت رتبی ثابت ہے اور بقول مولانا محمد قاسم صاحبؒ "آپؐ بالذات موصوف بوصف نبوت ہیں اور باقی تمام انبیاء بالعرض، جب اس عبارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاتمیت رتبی ثابت ہو گئی تو خاتمیت زمانی بھی ثابت ہے جیسا کہ اسی مضمون میں اس سے قبل حضرت نانوتویؒ کی عبارت نقل کر کے ثابت کیا گیا ہے رہے مولانا لکھنویؒ کی عبارت کی باقی ٹکڑے سو ان سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت غیر تشریعی کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اور نبوت غیر تشریعی کی حقیقت واضح کیجا چکی ہے۔

(۷) اب آیئے مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی عبارت کی طرف مولانائے موصوف فرماتے ہیں۔

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے" پھر آگے تحریر فرماتے ہیں "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ یہ عبارت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے خاتمیت کی تفصیل ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ تحذیر الناس کے صفحہ ۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"تقدم وتاخر زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی یہ تینوں نوعیں ہیں باقی مفہوم تقدم وتاخر ان تینوں کے حق میں جنس" خاتمیت مرتبی کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپکے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپکا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہوجاتا ہے۔ غرض جیسے آپ نبی الامۃ ہیں ایسے ہی نبی الانبیا ہیں" بعد ازاں خاتمیت مکانی کی تفصیل فرماتے ہیں اور وہ حدیث شریف پیش فرماکر جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمان کی طرح زمینیں بھی سات ہیں جو اوپر نیچے ہیں فرماتے ہیں" اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں، یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر مختتم ہوگا، اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے جب علم ممکن للبشر ہے ختم ہولیا تو پھر سلسلہ علم وعمل کیا چلے۔ غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپکا خاتم ہونا انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے" (تحذیر الناس صفحہ ۱۶)۔

یہ تو حقیقت ہوگئی خاتمیت مکانی وخاتمیت مرتبی کی اب اسی کے ساتھ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی وہ عبارت بھی ملا لیجئے جس میں دکھایا گیا ہے کہ خاتمیت رتبی کے لئے خاتمیت زمانی بھی لازم ہے، پھر فرمائیے کہ مرزا صاحب کی نبوت کے لئے کہاں گنجائش رہ جاتی ہے۔

(۸) اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے قول کو لیجئے آپ فرماتی ہیں قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ" ترجمہ:- یہ تو بیشک کہو کہ آپ خاتم الانبیا ہیں لیکن یہ نہ کہو حضور کے بعد کوئی نبی نہیں" اب آیئے لا تقولوا لا نبی بعدہٗ کے معنی معلوم کریں صحیح طریقہ یہی ہے کہ جس کتاب سے خلیفہ صاحب نے استدلال کیا ہے اسی کتاب سے اس ٹکڑے کے مفہوم کو معلوم کیا جائے، چنانچہ درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ پر مذکورہ بالا اثر کے بعد ہی فوراً یہ دوسرا اثر ہے

واخرج ابن ابی شیبۃ عن الشعبی رضی اللہ عنہ قال قال رجل عند المغیرۃ بن شعبۃ صلی اللہ علی محمد خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ فقال المغیرۃ حسبک اذا قلت خاتم الانبیاء فانا کنا نحدث ان عیسی علیہ السلام خارج الخ ان دونوں اثروں میں ابن ابی شیبہ ہیں۔ پہلے اثر میں ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے اور اس دوسرے اثر میں ابن ابی شیبہ نے حضرت شعبی سے سنا ہے لہذا دونوں حدیثیں ایک ہی درجے کی ہوئیں، اب اس حدیث کا ترجمہ سنئے

(ابن ابی شیبہ حضرت شعبی رح سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شعبی رح نے فرمایا ہے کہ مغیرۃ بن شعبہ رض کے سامنے ایک شخص نے یوں کہا کہ صلی اللہ علی محمد جو خاتم الانبیا ہیں کوئی نبی آپکے بعد نہیں، تو مغیرۃ نے فرمایا کہ کافی ہے تیرے لئے اگر صرف اتنا کہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں کیونکہ ہم سے بتایا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکلنے والے ہیں"

اس اثر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کا مفہوم معلوم ہوگیا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے والے ہیں اس لئے لا نبی بعدہ کہنا انسب نہیں۔ یہاں پر یہ نکتہ سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ سلام کے پیدا ہونے اور پھر دعوت نبوت کرنے کی خبر کسی حدیث میں نہیں ہے۔ ہاں انکے نزول کے بارے میں حدیث ہے وہ نئے سرے سے نبوت کا دعوے نہیں کریں گے نہ تشریعی نبوت کا نہ غیر تشریعی کا لہذا یہی بات پھر بھی ثابت ہوئی کہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔ چنانچہ بخاری و مسلم دونوں میں ایک اور حدیث منقول ہے "عن ابوھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء۔ کلما ھلک نبی خلفہ نبیٌ وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون الخ

ترجمہ:۔ (ابوہریرۃ رض فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تھے بنی اسرائیل کہ ادب سکھاتے تھے ان کو انبیاء جب مرتا ایک نبی تو جانشین ہوتا اس کا دوسرا نبی اور تحقیق کہ نہیں آنے والا ہے کوئی نبی بعد میرے اور ہوں گے بعد میرے خلفاء اور وہ بہت ہونگے)

اس حدیث میں آپ نے صراحت فرمادی کہ میرے بعد خلفاء تو ہونگے نبی کوئی نہیں ہوگا، پھر آپ ایک صحیح حدیث میں فرماتے ہیں "لوکان نبیٌ بعدی لکان عمر رض" ترجمہ:۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رض ضرور بالضرور نبی ہوتے۔ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ آپ کے بعد تو نبوت کا عہدہ ہی توڑ دیا گیا ورنہ حضرت عمر رض ضرور نبی ہوتے۔

اس کے بعد ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث اور ملاحظہ ہو" عن ثوبان رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنہا الی یوم القیامۃ ولا تقوم الساعۃ

حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی اللہ وانا خاتم النبیین لانبی بعدی۔" ترجمہ:۔ (روایت ہے ثوبان رضؓ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس وقت رکھی جائے گی تلوار میری امت میں نہیں اٹھائی جائے گی تلوار و قتل اس سے قیامت تک اور نہیں قائم ہوگی قیامت یہانتک کہ ملیں گے کتنے ایک قبیلے میری امت سے ساتھ مشرکوں کے اور نہیں قائم ہوگی قیامت یہانتک کہ پوجیں گے کتنے ایک قبیلے میری امت سے بتوں کو اور تحقیق ہونگے میری امت سے جھوٹے وہ تیس ہوں گے۔ سب گمان کریں گے کہ وہ نبی خدا کے ہیں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں نہیں کوئی نبی پیچھے میرے) اس صریح حدیث کے بعد بھی اگر خلیفہ صاحب مرزا صاحب کی نبوت کو ثابت کرنے کے درپے ہیں تو یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب بھی انہیں کذابین میں سے ایک ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ دعوے نبوت بھی کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت کی امت میں سے ہوں۔

(۹) خلیفہ صاحب نے امام محمد طاہر سندھی رح کا حسب ذیل قول بھی اپنی تائید میں نقل فرمایا ہے "ھذا ای قول عائشۃ (لانبی بعدہ) ناظراً الی نزول عیسیٰ وھذا ایضاً لاینافی حدیث لانبی بعدی لانہ اراد لانبی ینسخ شرعہٗ۔" ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضؓ کا مذکورہ بالا قول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو مدنظر رکھکر فرمایا گیا ہے اور یہ حدیث نبوی لانبی بعدی کے مخالف نہیں کیونکہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت کے بعد ایسا نبی نہ ہوگا جو حضور کی شریعت کو منسوخ کردے)

امام سندھی رح کی اس عبارت میں ناظراً الی نزول عیسیٰ ہے۔ ناظراً الی ولادت عیسیٰ و ادعائہ النبوۃ نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو کسی شخص کے گھر پیدا ہونگے اور نہ دعوے نبوت کرینگے البتہ وہ نبی ہونگے کیونکہ انکی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی ہے۔ جو معنی خلیفہ صاحب نے لئے ہیں اس کی تکذیب تو مذکورہ بالا حدیث جسمیں تیس جھوٹوں کا ذکر ہے خود کردیتی ہے۔ امام سندھی رح کا قول اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ مگر افسوس کہ اس سے خلیفہ صاحب کا مقصد حل نہیں ہوتا۔

(۱۰) حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی خلیفہ صاحب استدلال میں پیش فرماتے ہیں "ہیچ کمال غیر از نبوت بالاصالت ختم نہ گردیدہ درمیدہ فیاض بخل و دریغ ممکن نیست۔" ترجمہ:۔ (بجز نبوت بالاصالت کے کوئی کمال ختم نہیں ہوا اور مبدء فیاض میں بخل و دریغ جائز نہیں) مرزا صاحب کے اس قول کا مطلب سمجھنے کے لئے حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ

قول دیکھیئے جس کو الیواقیت والجواہر کے صفحہ ۲۴-۲۴۳ پر امام شعرانی تحریر فرماتے ہیں "انبیاء کو نبوت کا نام عطا کیا گیا تھا اور ہم کو لقب عطا کیا گیا ہے، یعنی ہم پر سے نبی کا نام اٹھالیا گیا ہے باوجودیکہ حق تعالیٰ ہمیں اپنے کلام اور اپنے رسول صلعم کے کلام کے معنی کی بذریعہ الہام خبر دیتا ہے، اور انبیاء کے اس مقام پر پہونچنے والے شخص کو ولی کہتے ہیں، پس اسکے نبوۃ کی انتہا احکام شرعیہ کا اس طرح سمجھنا ہے کہ وہ اس میں کوئی غلطی نہ کرے اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں" اب دونوں بزرگوں کے اقوال کو ملایئے تو یہ مطلب نکلا کہ نبوت بالاصالت تو ختم ہوگئی، اب کوئی شخص نبی ہونیکا دعوےٰ نہیں کرسکتا البتہ ولایت کا دروازہ کھلا ہے اور ولایت کا کمال یہ ہے کہ احکام شرعیہ اس طرح سمجھ میں آجائیں کہ اس میں کوئی غلطی نہ ہو۔ لیجئے میرزا جان جاناںؒ کے قول سے بھی خلیفہ صاحب کا مدعا ثابت نہ ہوا۔

(۱۱) مولانا رومؒ کے حسب ذیل اشعار بھی بطور دلیل پیش کئے گئے ہیں ؎

فکر کن در راہ نیکو خدمتے — تا نبوت یابی اندر امتے

بہر ایں خاتم شدہ است اوکہ بجود — مثل او نے بود نے خواہند بود

چونکہ در صنعت برد استاد دست — نے تو گوئی ختم صنعت بر تواست

اس کا ترجمہ میں اپنی زبان سے نہیں کرنا چاہتا بلکہ خلیفہ صاحب ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

"یعنی روحانی فیض کی سخاوت کیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم ہیں، نہ آپ کی مانند کوئی کامل پہلے ہوا اور نہ آیندہ ہوگا، کیا کوئی شخصیت کسی صنعت میں کمال حاصل کرلے تو تو یہ نہیں کہتا کہ تم پر یہ صنعت ختم ہوگئی" مولانا روم کی مثنوی کے اس جزو کے معنی تو یہ ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفت نبوت میں کامل ہیں، نہ آپ کی مانند کامل پہلے ہوا اور نہ آیندہ ہوگا اور اس جزو کو خلیفہ صلاح الدین بھی تسلیم کرتے ہیں ورنہ اسے استدلال میں کیوں پیش فرماتے، لہذا خلیفہ صاحب مذکور کے نزدیک آنحضرتؐ کی خاتمیت مرتبی تو مسلم ہوچکی اب رہا خاتمیت زمانی کا قصہ اس کے لئے مولانا محمد قاسمؒ نے جو عبارت تحذیر الناس کے صفحہ پر تحریر فرمائی ہے ملاحظ فرمایئے تو خاتمیت زمانی خود بخود ثابت ہو جائے گی

ان تمام دلائل کو پیش فرما کر خلیفہ صلاح الدین صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ نبوت غیر تشریعی کا دروازہ کھلا ہوا ہے........ اس لئے مرزا صاحب نعوذ باللہ نبی ہیں، حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی جو عبارت امام شعرانی نے نقل فرمائی ہے اس سے یہ واضح ہوگیا کہ اول تو نبوت کا لفظ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اٹھالیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ بذریعہ الہام اپنے کلام اور رسول کے کلام کا مفہوم سمجھائے گا اسے ولی کہا جائے گا، نبی نہیں کہا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ ولایت کی نبوۃ (یعنی کمال) کی انتہا احکام شرعیہ کا اس طرح سمجھنا ہے کہ وہ اس میں کوئی غلطی نہ کرے۔ اس تفصیل سے یہ چیز معلوم ہوگئی کہ نبوت غیر تشریعی ولایت کا نام ہے اور ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ لہٰذا مرزا صاحب ولایت کا دعوٰے تو کرسکتے ہیں نبوت کا دعوٰے ہرگز نہیں کرسکتے۔

اب آیئے دیکھیں کہ ولایت کے لئے مرزا صاحب کہاں تک موزوں ہیں۔ (۱) مرزا صاحب کے اقوال ملاحظہ ہوں سورۃ مریم میں ہے دما کانت امك بغیا اس آیۃ کے متعلق کہتے ہیں (نعوذ باللہ) اے مریم تو زنا کی مرتکب کیوں ہوئی جبکہ تیری ماں پاکدامن تھی زانی نہیں تھی (صنہ۳ احمدیہ پاکٹ بک) پھر فرماتے ہیں وقد ثبت من الانجیل انہ آدی عندہ بغیتہ وکانت زانیتہ الخ وازانجیل ثابت است کہ اُو زنے بدکار را نزد خود جاداد وآں زناکار وسخت فاحشہ بود دکذلك اقبل علی بغیتہ اُخری دہمچنیں یسوع دریک ترجمہ بازن بدکار دیگر گفتگو کرد (صہ۵۳ البلاغ فریاد درد مصنفہ مرزا)

(۲) بعض نادان صحابی (صنہ۱۲ ضمیمہ نصرۃ الحق)

(۳) "عبدالحق نے اشتہار دیا تھا کہ اس کے گھر لڑکا پیدا ہوگا (یہ بالکل جھوٹ ہے) وہ لڑکا کہاں گیا کیا اندر ہی اندر پیٹ میں تحلیل پا گیا یا پھر رجعت قہقری کر کے نطفہ بن گیا" صنہ۲ ضمیمہ انجام آتھم مثلہ تحفہ غزنویہ

(۴) اگر عبدالحق، ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو اس کو ولدالحرام بننے کا شوق ہے؟ (صنہ۳ انوارالاسلام)

(۵) مولوی سعداللہ مرحوم لدھیانوی کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں "ہندوزادہ" صنہ۳ ضیاءالحق صہ۵ انوارالاسلام) شیطان فطرت، ناداں عدوالدین" (انوارالاسلام صہ۲۶) غول لئیم فاسق، شیطان، ملعون، نطفۂ سفہا، خبیث، مفسد مزور، منحوس" (صہ ۲۸۱/۲۸۲ انجام آتھم) "کنجری کا بیٹا" انجام آتھم صہ ۲۸۱/۲۸۲)

(۶) پیر مہر علیشاہ صاحب گولڑوی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "میرے مقابل بیٹھ جائے تا دروغگو بے حیا کا منہ ایک ہی ساعت میں سیاہ ہو جاتا" صہ۶۲ نزول المسیح)، "ان لعنتوں کو کیوں ہضم کرلیا جو بحالت سکوت ہماری طرف سے آپ کی نذر ہوئیں،" (نزول المسیح صہ۷۲ "یہ گوہ کھانا ہے اے جاہل بیمیا،" (نزول المسیح صہ۷۳)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضہ کے متعلق فرماتے ہیں،

"ابوہریرہ غبی تھا درائت اچھی نہیں رکھتا تھا (صہ۱۸ اعجاز احمدی) "ابوہریرہ فہم قرآن میں ناقص ہے

اس کی حدیث پر محدثین کو اعتراض ہے، ابوہریرہ میں نقل کرنے کا مادہ تھا اور درایت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا" (ضمیمہ نصرۃ الحق) (۸) علماء کرام کے متعلق فرماتے ہیں۔

"و بدبخت مفتریوں۔ نہ معلوم یہ وحشی فرقہ کیوں شرم وحیا سے کام نہیں لیتا مخالف مولویوں کا منہ کالا (ص۵ ضمیمہ انجام آتھم) نالائق مولوی نفاق زدہ یہودی سیرت" حاشیہ انجام آتھم "بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید خنزیر ہے، مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں، اے مردار خور مولویو اور گندی روحو" ص۲۱ ضمیمہ انجام آتھم) (۹) عام مسلمانوں کے متعلق یہ ارشاد ملاحظہ ہو۔

"کوئی نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لئے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعوے کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرت کی نبوت کو مان لیا ہے" (ص۳ تذکرۃ الشہادتین) ظالم طبع مخالفوں نے جھوٹ کی نجاست کھائی" ص۱۸ انزول المسیح) "بعض کتوں کی طرح بعض بھیڑیوں کی طرح بعض سوروں کی طرح بعض سانپوں کی طرح ڈنک مارتے ہیں (ص۱۵ خطبۂ الہامیہ) (۱۰) ایک آریہ نے لکھا کہ مرزا کوڑی کوڑی کو لاچار ہے، اس کے جواب میں مرزا صاحب نے انتہائی غیض وغضب میں جس اسلوب میں جواب دیا ہے وہ ملاحظہ ہو"

"حیرت ہے لالہ صاحبوں کو ہمارے قرض کی فکر کیوں پڑ گئی ایک قوم ہندو جٹ ہے اکثر انکی یہ عادت ہے کہ جب وہ اپنی دختر کا ناطہ کسی جگہ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے چپکے چپکے اس گاؤں میں چلے جاتے ہیں جہاں اپنی دختر کی نسبت کا ارادہ ہوتا ہے، تب اس گاؤں میں پہونچ کر پٹواری کی کھیوٹ اور گرداوری اور روزنامچہ سے دریافت کرلیتے ہیں کہ اس شخص کی کتنی زمین ہے پڑتال کے بعد اپنی دختر دے دیتے ہیں لیکن اس جگہ تو ان امور میں سے کوئی بات نہیں" (ص۱۹ شحنۂ حق) مرزا صاحب کے مذکورہ بالا اقوال کا اسلوب کیسا ہے؟ اندازہ خود ناظرین فرما سکتے ہیں، کسی ولی کی زبان سے ایسے ناشائستہ الفاظ صحابہ کرام، علماء کرام اور عام مسلمانوں کے متعلق نہیں نکل سکتے، کیونکہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رح کے منقولہ قول کے مطابق ولی اللہ شرعی احکام کو بدرجۂ اتم جانتا اور سمجھتا ہے۔ اور شریعت نے سب وشتم کرنے کو فسق قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب ولی ہونے کا دعوٰے بھی نہیں کرسکتے چہ جائیکہ نبوت کا۔

اب آئیے دیکھیں کہ مرزا صاحب اپنی صحت دماغی کے متعلق خود کیا فرماتے ہیں "دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلعم نے پیشگوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح جب

آسمان سے اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہونگی، سو اس طرح مجھکو دو بیماریاں ہیں ایک اوپر کے دھڑ کی یعنی مراق اور (ایک نیچے کے دھڑ کی) کثرت بول" (رسالہ تشحیذ الاذہان جون ۱۹۰۶ء جلد ۱ ص۵ ڈائری مرزا و اخبار بدر جلد ۲ ص۳۲ مورخہ ۷ جون ۱۹۰۶ء ص۵)

پھر ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں "میرا تو یہ حال ہے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں تاہم مصروفیت کا یہ حال ہے کہ بڑی بڑی رات تک بیٹھا کام کرتا رہتا ہوں حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دوران سر کا دورہ زیادہ ہو جاتا ہے" (کتاب منظور الٰہی مرتبہ منظور الٰہی مرزائی ص۳۴۲ و اخبار الحکم جلد ۵ ص۴۲ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء)

مرزا صاحب کے ان دو اقوال سے ثابت ہو گیا کہ موصوف کو مراق تھا اب دیکھنا ہے کہ مراق کسے کہتے ہیں، شرح اسباب جلد اول ص۴۲ پر لکھا ہے کہ "نوعٌ من المالیخولیا یسمی المراقی" یعنی مراق مالیخولیا کی ایک نوع ہے، اب مالیخولیا کے مرض کی علامات ملاحظہ ہوں، علامت ۱ مالیخولیا کا کوئی مریض خیال کرتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں کوئی خیال کرتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں، کوئی خیال کرتا ہے کہ میں خدا ہوں" (بیاض نور دین ص۲۱۲ حصہ اول)

علامت ۲ بعض عالم اس مرض میں مبتلا ہو کر دعویٰ پیغمبری کرنے لگتے ہیں اور اپنے بعض اتفاقی واقعات کو معجزات قرار دینے لگتے ہیں، مخزن حکمت طبع پنجم جلد ۲ ص۱۳۵۲)

علامت ۳ مریض اپنے آپ کو غیب داں سمجھتا ہے بسا اوقات آیندہ ہونے والے واقعات کی قبل از ظہور خبر دیتا ہے، بعضے اپنے آپ کو فرشتہ اور بعضے خدا سمجھنے لگ جاتے ہیں (ص۶۹ شرح اسباب جلد اول)

علامت ۴ "اگر مریض دانشمند بودہ باشد دعویٰ پیغمبری و معجزات و کرامات کند و سخن از خدائی گوید و خلق را دعوت کند" (اکسیر اعظم جلد ۱ ص۱۸۸) چونکہ مرزا صاحب نے خود اقرار کیا کہ انہیں مراق و مالیخولیا کا مرض تھا اور مالیخولیا کی چند علامتیں ہم نے سطور بالا میں عرض کیں، لہٰذا یہ چیز یقین کے درجے تک پہونچ گئی کہ مرزا صاحب نبوت و وحی وغیرہ کے جو دعاوی کرتے تھے اس مرض کی وجہ سے تھے، اگر یہ مرض نہ ہوتا تو مرزا صاحب کبھی ایسا کام نہ کرتے مگر مرزا صاحب کے پیرو مرزا سے کچھ بڑھ کر مالیخولیا کے مرض کا شکار ہو گئے۔ ان بیچاروں نے تو مرض کی حالت میں یہ ساری بکواس کی مگر مریدوں نے ان اقوال کو واقعی وحی والہام سمجھا اور وہ کام کر گذرے جو مرزا صاحب صحت دماغی کی حالت میں کبھی نہ کرتے۔

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا

ضروری اعلان

"بعض حضرات دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں اپنے استفتاء کے ساتھ جواب کے لئے ٹکٹ ارسال نہیں فرماتے۔ بعض پتے صاف نہیں لکھتے۔ بعض سرے سے پتے تحریر ہی نہیں فرماتے اور بعض کے پتے ناقص ہوتے ہیں۔ ایسے تمام فتاویٰ دارالافتاء میں رکے رہتے ہیں۔ لہذا مستفتی حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ترسیل فتویٰ کے لئے ڈاک کے ٹکٹ ضرور ارسال فرمایا کریں۔ اور اپنا پتہ صاف خوشخط اور مکمل تحریر فرمایا کریں جو حضرات ایسا نہیں کریں گے ان کی خدمت میں جواب پہنچانے کا دارالافتاء ذمہ دار نہ ہوگا"

سردست مختلف وجوہ سے جو فتاویٰ رکے ہوئے ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔ براہ کرم مستفتی حضرات اپنے فتوے طلب فرمالیں۔

فہرست اسماء مستفتین جن کے فتاویٰ واپسی کے لئے ٹکٹ موصول نہ ہونے کی وجہ سے دارالافتاء میں محفوظ ہیں

نمبر شمار	نمبر رجسٹر	نام و پتہ مستفتی
۱	۱۰۷	جناب پیرجی ایوب علی صاحب معرفت حافظ معصوم علی صاحب قصبہ و ڈاکخانہ پہلاودہ ضلع میرٹھ
۲	۲۰۵	جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب۔ ڈاکخانہ دلدار نگر ضلع غازی پور
۳	۲۲۳	جناب گلاب خاں صاحب موذن جامع مسجد سرونج ریاست ٹونک
۴	۲۴۴	جناب عابد شاہ صاحب مجددی رامپور اسٹیٹ پہلا تالاب
۵	۲۳۳	جناب مولوی قمر علی صاحب مدرس مدرسہ دولپوری موضع ادوا والہ ڈاکخانہ مانپور بمنا پرگنہ ضلع مراد آباد
۶	۲۸۵	جناب محمد عثمان غنی میاں صاحب شالبازی۔ ڈاکخانہ رامبازی ضلع راجشاہی
۷	۴۰۵	جناب حکیم یار محمد صاحب پڑیوالی ضلع لپشلز ڈاکخانہ ننکانہ صاحب
۸	۴۲۷	جناب حافظ عدالت علی صاحب امام مسجد معرفت جناب افضل حسین صاحب چھٹی رساں موضع نظام علی والہ ڈاکخانہ سامانہ ریاست پٹیالہ
۹	۴۳۸	جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب دوکاندار سبزمنڈی۔ نہٹور ضلع بجنور
۱۰	۴۳۹	جناب مولوی محمد اسحاق صاحب۔ ہمراجپورہ ڈاکخانہ سنگلہ ہل ضلع شیخوپورہ
۱۱	۴۵۰	دفتر گولبازار لائبریری۔ رائپور

نمبر شمار	ڈاک نمبر	نام و پتہ مستفتی
۱۲	۴٦	جناب چودہری محمد افضل صاحب ناہن ریاست ڈاکخانہ خاص ضلع انبالہ
۱۳	۴۸۵	جناب سید طالب القادری معرفت رحیم بخش صاحب لوہار۔ قصبہ باولی ضلع میرٹھ
۱۴	۴۸٦	چک ۱۵۴ ڈاکخانہ ہارونہ آباد ضلع بھاولنگر۔ جناب مولوی صاحب امام مسجد سکول والہ۔
۱۵	۴۹۰	مقام لڑی سیدال ڈاکخانہ حویلیان ضلع ہزارہ۔
۱٦	۵۲۰	جناب امام صاحب جامع مسجد۔ کیتل۔ ضلع کرنال۔
۱۷	۵۵۴	جناب محمد اسمٰعیل میاں جی صاحب۔ کہیڑی رالون۔ ڈاکخانہ سنور۔ ریاست پٹیالہ۔
۱۸	۵۵۹	جناب مولوی عبد الرحمٰن شاہ صاحب امام مسجد۔ چک ۱۵۰ ڈاکخانہ ڈگری ضلع میرپور (سندھ)
۱۹	۷۲۲	دفتر شکیر الدین۔ موضع چھپوان۔ ڈاکخانہ بہرداری۔ ضلع الہ آباد۔
۲۰	۷۵٦	جناب حاجی عبد الغنی صاحب ٹیلر ماسٹر۔ ۲۱۲ مین اسٹریٹ کیمپ پونہ۔
۲۱	۸۲۷	ملک سندہ ضلع تہرپارکر تعلقہ ڈگری والکارخانہ جمعدار۔ فقیر محمد خاں صاحب۔
۲۲	۸۵۰	جناب غلام محمد ولد فتح دین صاحب۔ کوٹھی چک ۷۱/۲R ڈاکخانہ وتحصیل یزمان ریاست بھاولپور۔
۲۳	۸۹۵	جناب حاجی روشن الدین صاحب لوہار۔ ہوتہ۔ ضلع منٹگمری۔
۲۴	۹۲۲	جناب محمد الیاس صاحب۔ کارخانہ باٹی باغ۔ کوچہ خاں الیاس روڈ۔ دہلی۔
۲۵	۱۰۲۱	جناب سعد اللہ صاحب امام مسجد بڑوالی۔ موضع دسینی ڈاکخانہ گڑھ مکتیسر ضلع میرٹھ
۲٦	۱۰۲۳	جناب فرید الدین صاحب ولد بوٹہ صاحب۔ ریاست مالیرکوٹلہ خاص سربندی گیٹ۔
۲۷	۱۰۲۹	جناب شیخ محمد سعید صاحب مسلم ۸۵ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ دفتر ٹیلیفون
۲۸	۱۰۲۹	جناب نور احمد صاحب طالب علم۔ سکنہ بستی اللہ بخش خاں بلوچ اسرانی۔ ریاست بھاولپور
۲۹	۱۰۵۴	جناب سید شاہ مردان صاحب۔ دیوالیان۔ ضلع جہلم (پنجاب)
۳۰	۱۰۹۱	جناب مولوی ولی احمد صاحب خطیب جامع مسجد پونہ۔ تحصیل کودمری ڈاکخانہ سہریگاہ۔ معرفت رشید احمد طالب علم
۳۱	۱۰۹۳	جناب رسول شاہ صاحب موضع سونا نار دارہ پورہ۔ ہندہ وارہ لولاب برانچ سوگام۔ ریاست کشمیر
۳۲	۱۰۹۸	جناب سید کریم حسین شاہ صاحب۔ سکنہ محرم سیال ڈاکخانہ قائم بھروانہ ضلع جھنگ
۳۳	۱۰۷٦	جناب عبد الرحمٰن صاحب ولد جناب قاضی تاج محمد صاحب مرحوم معرفت۔ حکیم قاضی محمد بخش صاحب محلہ قاضیان۔ لنڈپور۔ ضلع حیدرآباد سندھ

نمبر شمار	ذاتی نمبر	نام و پتہ مستفتی
۳۴	۱۱۰۹	جناب رشید احمد ولد مولوی سید نثار احمد صاحب معرفت حکیم امین الحق صاحب ـ سودکیرہ شہر پٹنہ ـ
۳۵	۱۱۴۱	جناب شمس الدین احمد صاحب ـ ساکن بادیہ پارہ ـ ڈاکخانہ بامندی ـ ضلع ندیا ـ
۳۶	۱۱۶۰	جناب نتھو ولد فضل الدین صاحب ـ ساکن فکڑی ـ پوسٹ آفس ججوت ـ ضلع میرپور ـ
۳۷	۱۱۶۸	جناب سید شاہ مصطفےٰ قادری قاضی ایلن گڈھ ـ ہنگند ـ ضلع بیجاپور ـ
۳۸	۱۲۰۰	جناب غلام محمد قریشی ـ ساکن چک ۹۵ گ ـ ب ـ ڈاکخانہ بنگلہ ستیانہ ضلع لائلپور ـ
۳۹	۱۲۱۵	جناب شیخ فضل کریم صاحب اپیل نویس عدالت صدر رجسوں ثالث میر سپونسپلٹی ـ
۴۰	۱۲۳۲	جناب مولوی عبدالعزیز صاحب امام مسجد موضع داخل سیدہ ڈاکخانہ سیدری ـ ضلع راولپنڈی ـ
۴۱	۱۲۵۱	جناب سردار محمد خاں صاحب باجولی ـ ڈاکخانہ قمبر علی خاں ـ ضلع لاڑکانہ ـ سندھ ـ
۴۲	۱۲۶۳	جناب غلام حسین صاحب کنسٹبل ۵۲۲ ماورہ تھانہ ـ بریٹھ ـ ضلع برنالہ ـ ریاست پٹیالہ ـ
۴۳	۱۳۱۸	جناب دلاور حسین صاحب معرفت حافظ مولا بخش صاحب ـ مقام و ڈاکخانہ جھومری تلیا اسٹیشن کودرما
۴۴	۱۳۲۶	جناب بابو عبداللہ صاحب ـ محلہ قصاب بارہ ـ مالی گاؤں ـ ضلع ناسک ـ
۴۵	۱۳۴۴	جناب مولوی محمد امین صاحب ـ موضع بانگی لوہانچ ـ ڈاکخانہ لیا ضلع مظفرگڈھ ـ
۴۶	۱۳۴۹	جناب حاجی قمرالدین صاحب معرفت جناب دین محمد صاحب بیڑی فروش ـ چاندیسہ ـ ڈاکخانہ ہورہ تعلقہ نو ـ دنواب شاہ سندھ ـ
۴۷	۱۳۵۴	جناب شیخ غلام مرتضیٰ صاحب رئیس آنریری مجسٹریٹ ـ قصبہ موائمہ مقام لداؤ ـ ضلع الہ آباد ـ
۴۸	۱۳۵۵	جناب فتح محمد صاحب جلال خورد ـ محلہ قاضی ٹولہ قصبہ و ڈاکخانہ سونانتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ
۴۹	۱۴۰۸	ذی صوفی ایگمہ ساشور کڑیال ـ ضلع خاص سرائے خام
۵۰	۱۴۱۷	لالہ شاکر رام تلوک چند کے پہنچا کر جناب عبدالستار شاہ صاحب ٹھیکیدار کھیڑہ والی منڈی ڈبوالی ضلع حصار
۵۱	۱۴۲۱	جناب علی احمد صاحب ڈہرایان ـ ڈاکخانہ شنبھو خورد ریاست پٹیالہ
۵۲	۱۴۹۱	جناب مولوی پیر بخش صاحب چک نمبر ۱۴۰۲ معرفت مولوی حکیم محمد فاضل صاحب ڈاکخانہ اقبال نگر
۵۳	۱۵۴۲	جناب چودہری محمد نسیم خان صاحب ـ جنگلی بازار ـ گوپس براستہ گلگت ـ
۵۴	۱۵۶۳	جناب سید احمد حسین شاہ صاحب ـ ساکن گدی میداں ڈاکخانہ ہری پور ضلع ہزارہ ـ
۵۵	۱۵۶۹	جناب قاضی محمد شاہ صاحب ـ جھلور ـ ڈاکخانہ سیکھا ـ ریاست پٹیالہ
۵۶	۱۵۷۴	جناب اسمٰعیل صاحب سبزی فروش ـ بہاو چھاونی لاسیشرا بازار

نام و پتہ مستفتی	ڈاک نمبر	نمبر شمار
جناب مرزا عبدالرشید بیگ صاحب قدوسی۔ سکندر منزل نوری گیٹ۔ آگرہ۔	۱۵۶۳	۵۷
جناب محمد علی صاحب خادم مسجد معرفت سردار محمد خان صاحب۔ باجوڑی ڈاکخانہ۔ نیابت حصدار ریاست قلات (بلوچستان)	۴۷	۵۸
جناب طاہرہ بی صاحبہ مکان جناب رحمت اللہ صاحب۔ متصل مدرسہ مولانا صاحب بی کٹرہ	۱۶۱۴	۵۹
جناب مولوی محمد سالم صاحب۔ ڈاکخانہ رہوگول مقام خیرپور۔ ریاست جموں۔	۵۵۷	۶۰
جناب محمد شبیر حسین صاحب صدیقی کھنڈسال۔ محلہ قلعہ۔ کرتپور۔ ضلع بجنور۔	۱۶۱۷	۶۱
کالا ڈیرہ نمبر ۵۹ اڈیشنل پولیس لائن تحصیل ایبٹ آباد ڈاکخانہ خاص ضلع ہزارہ۔	۱۵۹۰	۶۲
جناب ننھے خان صاحب موٹر ڈرائیور متصل گرلز اسکول۔ محلہ طویلہ۔ ضلع مرادآباد	۶۰۳	۶۳
جناب حاجی پیران صاحب انجمن نابھہ۔	۶۵	۶۴
جناب عبدالسلام صاحب فاروقی معرفت منظور احمد صاحب صدیقی کین مل کھٹک محلہ جبلپور	۷۷	۶۵

ذیل میں وہ نام درج ہیں جن کے پتے پڑھے نہیں گئے نیز واپسی کے لئے ٹکٹ بھی نہیں آئے

جناب فضل بیگم صاحبہ دختر مولا۔ سکنہ ڈہالگری بالا۔	۷۳۹	۱
جناب محمد حسین ولد محمد الدین صاحب۔ سیالکوٹ۔	۱۸۶۹	۲

ذیل میں وہ نام درج ہیں جن کے پتے تحریر نہیں کئے گئے

جناب حافظ محمد یٰسین صاحب۔ کوٹ خواوالی۔	۱۲۲۲	۱

"دارالعلوم" میں فتاویٰ کی اشاعت

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے ہر سال ہزاروں فتوے اکناف ہند و بیرون ہند میں ارسال کئے جاتے ہیں۔ ان میں بہت سے اہم اور ضروری فتاویٰ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے صرف فتویٰ طلب کرنے والے حضرات ہی نہیں بلکہ عام طور پر مسلمان مستفید ہو سکتے ہیں۔ ہماری درخواست پر شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب مدظلہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے ماہنامہ دارالعلوم میں اس قسم کے فتاویٰ کی اشاعت کا انتظام فرما دیا ہے۔

امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ مستقلاً رسالہ میں مفید فتاویٰ شائع ہوتے رہیں گے۔

"مرتب"

اعلان ٹھیکہ جائداد دار العلوم دیوبند

مندرجہ ذیل جائداد سکنائی و صحرائی موقوفہ دار العلوم دیوبند تین سال کے لئے ٹھیکہ پر دی جائیگی جس کی مجموعی آمدنی سالانہ اعسا ۵ر ۱۰ پائی ہے۔ جو صاحب جائداد مذکورہ کو ٹھیکہ پر لینا چاہیں گے ان کو بقدر آمدنی ایک سال پیشگی رقم بطور ضمانت داخل خزانہ دار العلوم کرنی ہوگی یا باضابطہ رجسٹری شدہ جائدادی ضمانت دینی ہوگی۔ ٹھیکیدار کو کمیشن دیا جائے گا۔ مزید تفصیلات و شرائط وغیرہ بذریعہ خط و کتابت یا بالمشافہ طے ہو سکتی ہیں۔ ۱۰ جون ۱۹۴۵ء تک تمام درخواستیں دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند میں موصول ہو جانی چاہئیں۔ بعد انقضائے تاریخ مذکورہ اگر کوئی درخواست موصول ہوگی تو اس پر غور نہیں کیا جاسکے گا۔

تفصیل جائداد سکنائی زیر تجویز ٹھیکہ

نمبر شمار	نام مقام جہاں جائداد واقع ہے	تعداد مکانات	سالانہ آمدنی
۱	مکانات واقع انبالہ چھاؤنی	۳۱ قطعہ	[illegible]
۲	مکانات واقع رڑکی ضلع سہارنپور	۳ "	[illegible]
۳	مکان واقع قصبہ رامپور ضلع سہارنپور	۱ "	[illegible]
۴	مکانات واقع قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر	۶ "	[illegible]
۵	مکانات واقع دہرہ دون	۲ "	[illegible]

میزان آمدنی جائداد سکنائی [illegible]

تفصیل جائداد صحرائی زیر تجویز ٹھیکہ

نمبر شمار	نام موضع جہاں جائداد واقع ہے	تعداد رقبہ پختہ	لگان سال تمام
۱	موضع ملہی پور تحصیل و ضلع سہارنپور	[illegible] ۱۳	[illegible]
۲	موضع دہانوہ تحصیل نکوڑ ضلع سہارنپور	[illegible] ۱۴	[illegible]
۳	قصبہ سردھنہ تحصیل و ضلع میرٹھ	[illegible] ۱۵	[illegible]
۴	موضع پاپلی تحصیل و ضلع میرٹھ	[illegible] ۶	[illegible]
۵	موضع مغرب پور تحصیل نجیب آباد ضلع بجنور	[illegible] ۱۷	[illegible]

میزان لگان جائداد صحرائی۔ [illegible] ۱۲ر ۱۰ پائی

میزان کل آمدنی سکنائی و صحرائی۔ اعسا [illegible] ۵ر ۱۰ پائی

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دار العلوم دیوبند

"علمائے ہند"

(از جناب تلطفی۔ رضوانی)

اس اثر سے ہے زمین و آسمان میں ارتعاش
کس قدر یہ داستاں ہے دلگداز و دلخراش

وہ علمبردار مذہب۔ وہ ہی خواہانِ دین
پاسبانِ قومِ مسلم، حامیٔ شرعِ متیں

وہ کہ جن کا کام قَالَ اللّٰہُ اور قَالَ الرَّسُوْل
کر رہے ہیں دام دستارِ فضیلت کے وصول

احترام اُن کا بجا، ان کا ادب تسلیم ہے
مانتا ہوں ذات ان کی واجب التعظیم ہے

آہ! لیکن دل میں اک ہلچل بپا ہے کیا کروں
تا کجا خاموش دل ہی دل میں میں رویا کروں

بات وہ آتی ہے لب پر جو نہایت تلخ ہے
واقعہ حق ہے بظاہر گو حکایت تلخ ہے

بے نیازِ کارواں ہے خود امیرِ کارواں
گلستاں سے ہو گیا ہے بے خبر خود باغباں

خانہ جنگی کی گھٹا ہے ہر طرف چھائی ہوئی
کفر کے ظالم لبوں پر ہے ہنسی آئی ہوئی

ہند میں آکر مسلماں خوار ہیں برباد ہیں
غیر کا کیا ذکر اپنے ہو سر بیداد ہیں

سنی و شیعہ کا قضیہ ہے جوانی پر کہیں
مدح اور قدحِ صحابہ ہے روانی پر کہیں

کوئی الجھا ہے قیامِ مجلسِ میلاد میں
کوئی غلطاں دین کی خود ساختہ ادقاد میں

اسطرف تلقین "علمِ غیب"[1] پر ایمان کی
اسطرف پختہ دلیلیں "کذب[2] کے امکان" کی

حسبِ منشا ہو رہا ہے ترجمہ قرآن کا
بت پرستی کو دیا جاتا ہے نام ایمان کا

"خلق[3] قرآن" کے دبے فتنے کی تجدید عظیم
ہو رہی ہے یوں کہ حادث ہے نبوت یا قدیم

ف اس نظم کے متعلق حضرت مولانا محمد طیب مدظلہٗ کے خیالات آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

(۱) حضور کو علم غیب تھا یا نہیں (۲) امکان کذب باری تعالیٰ (۳) فتنہ خلق قرآن۔

روح کے ایصال[1] پر اقرار بھی انکار بھی
فاتحہ کے[2] اول و آخر میں ہے تکرار بھی

سلسلہ وہ چھڑ گیا ہے بحث و تاویلات کا
ہے مقدم حق پہ گویا پاس اپنی بات کا

بھول کر فرمانِ باری اور فرمانِ رسول
کچھ مرتب ہو رہے ہیں ہند میں ذاتی اصول

کفر سازی ہو تو کس جا، محفلوں میں وعظ کی
پگڑیاں اچھلیں تو کس جا، مجلسوں میں وعظ کی

دیوبندی سے گلہ، شکوہ رضاخانی سے ہے
دشمنی گویا بہر صورت مسلمانی سے ہے

کلمۂ حق پڑھنے والا اور کافر! للعجب
خود کو مومن کہنے والا اور کافر! للعجب

الغرض سلجھی ہوئی ہر بات اُلجھ کر رہ گئی
یعنی تعیین صفت میں ذات الجھ کر رہ گئی

کشمکش میں ہیں مسلماں کیا کریں اور کیا نہیں
ذوق باقی امتیاز حق و باطل کا نہیں

بے سری اک فوج ہے آوارہ و گم گشتہ راہ
بیکسی میں جس کی ہر رہرو پہ اٹھتی ہے نگاہ

شوق منزل ہے مگر منزل سے خود ناآشنا
مبتلائے دعوی باطل ہیں ان کے رہنما

علم کا سکہ بٹھانے سے انھیں فرصت نہیں
رعب دنیا پر جمانے سے انھیں فرصت نہیں

انما الاعمال بالنیات کا احساس کیا
ہر عمل، ہر فعل، پابند غرض جب ہو گیا

اللہ اللہ یہ زمانے کی ہوا، یہ انقلاب
کیوں نہیں ہوتا ہے مغرب سے طلوع آفتاب

صور اسرافیل کی آواز کیوں خاموش ہے
کس لئے ہنگامۂ محشر کا ٹھنڈا جوش ہے

کس تباہی کا مسلمانوں کی اب ہے انتظار
رحم فرما رحم فرما اے مرے پروردگار

(۱) ایصال ثواب کے لئے تعیین وقت وغیرہ (۲) نماز کے بعد کی فاتحہ ثانی جائز ہے یا ناجائز۔

نظم "علمائے ہند" کے متعلق

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کا اظہار خیال

"جناب لطفی رضوانی نے اپنی ایک نظم جس کا عنوان "علمائے ہند" ہے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کی خدمت میں ارسال فرمائی تھی اور باصرار درخواست کی تھی کہ اس کے متعلق اظہار خیال فرمائیں۔ حضرت ممدوح نے ان کے پیہم اصرار پر نظم کے متعلق ایک خط میں اپنی رائے لکھکر ارسال فرمادی تھی۔ چونکہ اس سرسری اظہار خیال میں بھی ایک علمی شان ہے جس کا مطالعہ بہت کچھ مفید ہوسکتا ہے۔ بنا بریں حضرت ممدوح کے ارشاد کے مطابق یہ نظم اور ممدوح کا مکتوب گرامی نذر قارئین "دارالعلوم" کیا جاتا ہے"۔
(مرتب)

۷۸۶

حضرت المحترم زید مجدکم السامی۔

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ مع نظم "علمائے ہند" اور اس کے بعد دو والا نامے بسلسلۂ یاددہانی جواب صادر ہوکر موجب یاد آوری ہوئے۔ میں اس دوران میں مسلسل سفروں میں رہا اس لئے ناگزیر طریقہ پر ارسال عریضہ میں تاخیر ہوگئی جس پر معافی کا خواستگار ہوں۔

نظم "علمائے ہند" پڑھی۔ اور سمجھنے کی کوشش کی کہ اس کا منشا اور غرض وغایت کیا ہے۔ باوجود کافی غور و [illegible] کے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لکھوں؟ اگر نظم کی داد دینی مقصود ہے تو مختصر جواب یہ ہے کہ جناب نے خوب فرمایا۔ اور شاعری حق ادا کردیا۔ لیکن اگر الفاظ کی بندشوں کے علاوہ معانی کے سلسلہ میں بھی جناب کے نزدیک ہم جیسوں کا اظہار رائے ضروری ہے تو میں اصولی طور پر چند باتیں موضوع نظم کے متعلق عرض کرتا ہوں اسمیں خصوصی مسئلہ کی نسبت بھی ضمناً اظہار خیال ہوجائے گا۔

چونکہ نظم کا موضوع علماء ہند کا اختلاف اور اس کے متعلق جناب کی تنقید ہے۔ اسلئے میری پہلی اصولی گذارش تو یہی کہ نفس اختلاف نہ کوئی قابل تاسف چیز ہے نہ قابل ملامت۔ اختلاف انسانی خصوصیات میں ایک نمایاں درجہ رکھتا ہے۔ صورت، شکل، زبان، رنگ، وطن وغیرہ سب مختلف ہیں تو عقل، فہم، رائے، ذہنیت اور عام قوائے باطن کیسے متحد ہوسکتے تھے فطرۃ نہ مٹنے کی چیز ہے نہ مٹائی جاسکتی ہے۔ اسلام نے جیسے تمام قوائے انسانی کو مٹانے کے بجائے ٹھکانے لگایا ہے اور ہر ایک کا مصرف اور حدود و استعمال متعین کردئے ہیں اسی طرح اختلاف کو بھی مٹانے کے بجائے اسے باقی رکھ کر اسکی حدود متعین کردی ہیں تاکہ اس کے فطری فوائد حاصل ہوتے رہیں اور طبعی مضرتیں زائل ہوتی رہیں۔ پس اندرون حدود اختلاف مستحسن ہوگا، اور بیرون حدود مذموم اس لئے جنس اختلاف یقیناً مذموم نہیں البتہ اس کی بعض انواع مذموم ہونگی

اور بعض مستحسن اور مطلوب اور اس مدح و ذم کا سیدھا سا معیار یہ ہے کہ اگر اختلاف وضوح بینہ سے پہلے پہلے ہو تو غیر مذموم اور وضوح بینہ کے بعد ہو تو مذموم اور قابل ملامت۔ قرآن عزیز نے اس معیار پر کھلی روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات واولئك لھم عذاب عظیم۔

تم ان کی مانند مت ہو جو متفرق ہو گئے (دینی فرقوں میں بٹ گئے) اور انھوں نے اختلاف کیا بینات (دلائل) اُنکے پاس آجانے کے بعد۔ اور انہی کے لئے ہے عذاب عظیم۔

اس آیت کے منطوق سے اختلاف کی مذموم نوع ثابت ہو گئی ہے جو وضوح بینہ کے بعد ہو جس کا منشا محض ہٹ دھرمی، ضد اور عناد ہوتا ہے۔ اسی لئے اس پر عذاب عظیم کی دھمکی دی گئی ہے۔ اور اسی آیت کے مفہوم سے اختلاف کی غیر مذموم نوعیت بھی نمایاں ہے۔ کیونکہ جب وضوح دلائل کے بعد اختلاف اٹھانا مذموم ہے تو اسکا قدرتی مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ وضوح بینہ سے پہلے پہلے اختلاف جائز ہو کہ یہ موقع یقیناً اختلاف پیدا ہونے کا محل ہے پس اس اختلاف کا منشا عناد نہیں بلکہ اجتہاد ہوگا۔ جو انسان میں ایک اعلیٰ ترین باطنی حسن کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس سے پیدا شدہ چیز بھی کبھی قبیح نہیں ہو سکتی۔

اس اصولی معیار کے بعد دینی مسائل میں اختلاف کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا اختلاف اصول میں ہوگا یا فروع میں۔ ظاہر ہے کہ اصول دین میں اختلاف ہمیشہ مذموم اور مردود ہوگا کیونکہ اسلام کے اصولی اور بنیادی عقائد و کلیات جنھیں ضروریات دین کہا جاتا ہے حد درجہ واضح اور انکی حجتیں اس درجہ کھلی ہوئی اور مقبول ہیں کہ ایسی کسی سلیم الطبع انسان کو اختلاف کی گنجائش نہیں حتی کہ اون کی معقولیت اور حقانیت کو غیر مسلم بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں پس ان واضح الدلائل امور میں اختلاف یا معاندہ کر سکتا ہے یا کجرائے اسی لئے اس اختلاف کو اختلاف کفر و اسلام کہا گیا ہے۔ جس میں ہمیشہ ایک جانب حق اور ایک جانب باطل کے لئے متعین ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کبھی مستحسن اور قابل ستائش نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیشہ قبیح اور مذموم ہوگا۔

دوسرا اختلاف فروع کا ہے خواہ وہ فروعی اعتقادات ہوں یا فروعی مسائل۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ فروعی اعتقادات کی حجتیں بھی چونکہ کافی حد تک واضح ہیں اس لئے ان میں بھی بشرط سلامتی فہم اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن پھر بھی اگر اختلاف کیا جائے تو چونکہ ان اعتقادات کا مبنیٰ نصوص قطعیہ نہیں بلکہ ظنیہ ہیں اور قطعی بھی ہوں تو اختلاف کنندے تاویلات کی راہ سے اس اختلاف کو لیکر کھڑے ہوتے ہیں جو ظنی اور بعض اوقات محض وہمی ہوتا ہے اس لئے یہ اختلاف مذموم تو ضرور ہوگا مگر اسے اختلاف کفر و اسلام نہ کہا جائیگا کیونکہ ظنیات کا انکار کفر نہیں بلکہ فسق و بدعت ہوتا ہے اس لئے اختلاف کا لقب سنتہ و بدعتہ ہوگا۔ اس اختلاف میں بھی ایک جانب حق اور

دوسری جانب باطل کے لئے متعین ہوتی ہے اسی لئے اس دائرہ کے اختلاف کنندوں کو اہل بدع کہا گیا ہے نہ کہ کافر جیسے معتزلہ۔ قدریہ۔ مرجیہ وغیرہ۔

اور جو اختلافی اعتقاد و عمل کسی حجۃ ہی پر مبنی نہ ہو شرعی ذوق اور سلفی مذاق اسے برداشت ہی نہ کرتا ہو قرون خیر میں اس کی کوئی نظیر نہ ملتی ہو اس کی بنا عام رواج یا اہل غلو کے تعمقات یا زیادہ سے زیادہ اہل حال کے شطحیات ہوں یعنی اس میں بلا حجۃ آبائی تقلید کیجارہی ہو محض تکلف سے اوس کے لئے شرعی ماخذ پیدا کئے جاتے ہوں تو ظاہر ہے کہ اسے اختلاف اجتہاد تو کیا کہا جاتا وہ فی الحقیقت اختلاف سے موسوم کئے جانے کے ہی لائق نہیں پھر بھی اگر اس کا لقب اختلاف ہو سکتا ہے تو وہ بطریق اولیٰ اسی اختلاف سنۃ و بدعۃ کے تحت میں آسکیگا جس میں ایک جانب حق کیلئے اور دوسری باطل کے لئے متعین ہوگی۔ بہر حال اختلاف سنۃ و بدعۃ خواہ نصوص میں تاویلات کے ذریعہ سے ہو یا آبائی تقلید سے ہو۔ پھر اس کا منشا رواج پسندی ہو یا کج مذاقی اور سوء فہم بہر دو صورت یہ اختلاف بھی شرعاً مذموم ہوگا کہ اس میں امت میں پارٹی بندی پھیلتی اور اس کی مجتمع طاقتوں کو منتشر کرنے میں مؤثر حربہ کا کام کرتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے جو حدیث عبداللہ ابن عمرو کا ایک ٹکڑا ہے۔

وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھا فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (رواہ الترمذی)	بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی جنیں سے ہر ایک سب ناری ہونگے صرف ایک ناجی ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ ناجی کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا جسپر میں اور میرے صحابہ چل رہے ہیں اُسی نہج پر چلنے والا ناجی ہوگا۔

تیسرا اختلاف فروعی مسائل کا ہے جنمیں اصولی اتحاد اور کلیاتی توافق کے ساتھ عمل کی جزوی فرعیات میں اختلاف ہو جائے جس کی بنا یہ ہو کہ اُس مسئلہ میں یا کوئی صریح نص اور حجۃ ہی موجود نہ ہو یا ہو تو مجمل ہو جو کئی معنی پر محمول ہو سکتی ہو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں چونکہ ذوقی رائے اور اجتہاد سے مسئلہ کا استخراج کرنا پڑتا ہے اور رایوں میں فطرۃً تفاوت ہے۔ اس لئے ایسے اجتہادی مسائل میں اختلاف کا رونما ہونا ایک قدرتی چیز ہے۔ اس اختلاف میں خواہ نص ہونے کی صورت میں مسئلہ کا استخراج قیاس و استنباط سے کرنے میں تفاوت رائے اور اختلاف پیدا ہو یا محتمل الوجوہ نص کی موجودگی میں قیاس و اجتہاد سے تعیین مراد میں رائے کا اختلاف رونما ہو۔ بہر صورت یہ اختلاف مذموم نہیں کیونکہ وضوح بینہ سے پہلے پہلے کا ہے۔ اور شرعی دلائل تک پہونچنے ہی میں مجتہد کی ہمت متوجہ رہتی ہے۔ اسی لئے یہ اختلاف حق و باطل کا نہیں بلکہ خطا و صواب کا اختلاف کہلائیگا اس اختلاف کی دونوں جانبوں میں حق دائر سائر رہتا ہے۔ کسی ایک جانب کو قطعی طور پر حق اور اس کے خلاف کو ناحق نہیں کہہ سکتے۔ اگر کسی جانب کو حق کہیں گے تو مع احتمال الخطاء اور اس کے خلاف کو خطا کہیں گے

تو مع احتمال الحق۔ اس لئے یہ اجتہادی اختلاف کسی صورت سے بھی مذموم اور قبیح نہیں ہوگا۔ ورنہ اس کی کسی جانب کے اختیار کرنے والے کو مبطل اور ناحق کوش کہا جائیگا۔ حنفیہ۔ شافعیہ۔ حنابلہ اور مالکیہ وغیرہ کے اختلافات اسی نوع کے ہیں جن پر مذمت کا کوئی دھبہ نہیں آسکتا۔ جیسا کہ آیت بالا کے مفہوم سے ابھی واضح کیا جا چکا ہے۔ پھر یہ اختلاف نہ صرف مذموم ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن اور محمود ہے جس کی منقبتیں مختلف عنوانوں سے وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد نبوی ہے۔

اختلاف امتی رحمۃ واسعۃ ؛ میری امۃ کا اختلاف رحمۃ واسعہ ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی اختلاف کا رحمۃ ہونا اس کے مستحسن ہونے کی واضح دلیل ہے۔ پھر نہ وہ مستحسن ہی ہے بلکہ شرعاً مطلوب بھی ہے جسکی ترغیب دیگئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

المجتہد یخطی ویصیب فمن اصاب فلہ اجران ومن اخطأ فلہ اجر واحد (قطلبہ: حدیث)	مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ جو صواب پر پہنچ گیا ہے دو اجر ملیں گے اور جو خطا کریگا اس کے لئے اجر واحد ہوگا۔

ظاہر ہے کہ جس اختلاف پر اجر دیا جائے اس کے مطلوب شرعی ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے یہی اختلاف ہے جس سے علم کے ہزارہا گوشے کھلتے ہیں۔ عمل کی پوشیدہ شاہراہیں نکلتی ہیں اور امۃ کے لئے عمل کی آسانیاں بہم پہونچتی ہیں۔ جو اس کے رحمۃ واسعہ ہونے کی بین علامت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علمار امۃ نے ان فروعی اختلافات کو محفوظ رکھنے اور امۃ کو اس سے منتفع کرنے کی کافی کوشش کی ہے۔ ان خلافیات کو کتب فقہ میں مدون کیا۔ اُنکا درس دیا اور اسے ایک مستقل فن کی حیثیت دیکر علمار کے علمی تبحر و اعتبار کا مدار اور معیار ٹھیرا دیا۔

الحاصل اختلاف امۃ کے سلسلہ میں اختلاف کفر و اسلام اور اختلاف سنۃ و بدعۃ تو مذموم ٹھیرا جس میں ایک جانب حق کے لئے اور دوسری جانب باطل کے لئے متعین ہوتی ہے یہ اختلاف ثابت شدہ حق کے مقابلہ میں آکر امۃ میں تشتت و افتراق پیدا کرتا ہے اور اس کی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ اور اختلاف خطأ و صواب جو عموماً ادنیٰ و غیر ادنیٰ راجح و مرجوح اور افضل و مفضول کا اختلاف ہوتا ہے مستحسن اور مطلوب ٹھیرا جس میں دونوں جانب حق دائر رہتا ہے جس سے امۃ کے علم و عمل میں توسع ہمہ گیری اور سہولت بہم پہونچتی ہے اور امۃ کی علمی و عملی قوۃ عالمگیر ہو کر امۃ پر محیط ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کا استحکام ہو جاتا ہے۔ اختلاف کے حسن و قبح کا یہ اصولی معیار اور اس کی مذکورہ چھ بری انواع کو سامنے رکھکر سوال یہ ہے کہ جناب نے اپنی نظم "علمائے ہند" میں جن اختلافی مسائل کے عنوانوں سے علمار کے اختلاف کی طرف اشارے فرمائے اور انھیں قابل ملامت قرار دیا ہے اس سے کونسا اختلاف مراد ہے؟ اگر اختلاف کفر و اسلام یا سنۃ و بدعۃ مراد ہے جو بلا شبہ مذموم اور موجب ملامت ہے (تو قطع نظر اس سے کہ مشارالیہ

مسائل میں آپ کی یہ مراد صحیح ہو یا غلط) چونکہ مذکورہ شرعی معیار کی رو سے اس اختلاف میں دونوں جانبین مساوی نہیں ہوتیں بلکہ ایک حق اور ایک باطل ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ جو جانب آپکے نزدیک حق تھی اُسے حق ٹھہرا اس کے ماننے والوں کو سراہا جاتا اور جو جانب باطل تھی اسے باطل کہہ کر اسکے ماننے والوں کی مذمت کیجاتی۔ نہ یہ کہ دونوں جانب کے افراد کو یکساں قابل ملامت قرار دیدیا جائے آخر جب آپ دو متضاد جانبوں کے درمیان ایک ناقد یا حکم کی حیثیت سے آرہے ہیں تو یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ دونوں جانبوں کو حق یا دونوں کو باطل فرمائیں کیونکہ نہ ضدین کا اجتماع ممکن ہے نہ ارتفاع اسلئے ناگزیر ہے کہ جناب ایک جانب کو حق اور دوسری کو باطل جانتے ہوں پس ایسی دو متضاد جانبوں کے ماننے والوں کو ایک درجہ میں رکھنا اور مساوی طور پر قابل مدح یا قابل ذم ٹھہرانا حق و باطل کو ایک درجہ دیدینا ہے جو میرے خیال میں کسی آئین عقل یا قانون شرع پر کسی جہت سے بھی منطبق نہیں ہو سکتا ہاں اگر ان اختلافات میں جناب کے لئے وجہ ناخوشی یہ ہے کہ یہ زمانہ ان اختلافات کا نہیں ہے اس سے قوم کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں اور یہی بنا ہو علماء کو ملامت کرنے کی تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ناراضی تو بلاشبہ حق بجانب ہے لیکن میرے خیال میں اس ناخوشی کا رُخ اُن افراد کی طرف ہونا چاہئے تھا جو آپ کے نزدیک اختراعی امور کو دین سے ٹکرا کر دین وملت میں اختلاف پیدا کر رہے ہوں اور اس دور میں بھی نئے اختراعات کو اٹھانے سے نہ شرماتے ہوں جبکہ بہت سے دشمنان اسلام بھی پُرانے اسوۂ حسنہ کے اتباع ہی کو واحد ذریعہ نجات تصور کرنے لگے ہیں۔ ایسے مضر اختلاف کی صورت میں جناب کا روئے ملامت اہل اختراع سے ہٹ کر پورے دائرۂ علماء کی طرف ہو جانا اور حق ناحق دونوں ہی کا ناخوشی کی لپیٹ میں آجانا کم ازکم میرے خیال میں دائرۂ اعتدال میں نہیں آسکتا۔ اور نہ اختلاف سنۃ و بدعۃ کا یہ حکم ہی ہے کہ اس کی دونوں جانبوں کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے۔

ہاں اگر آپ کے نزدیک نظم میں اشارہ فرمودہ اختلافات اجتہادی اختلاف کی قسم سے ہیں جس میں دونوں جانبیں یکساں اور حق سے ہم آغوش رہتی ہیں تو پھر یہ ملامت ہی حق بجانب نہیں خواہ کسی جانب اور کسی فریق کے لئے کیگئی ہو کیونکہ اجتہادی اختلاف میں کوئی فریق بھی اس کا مستحق نہیں ہوتا کہ سرے سے یہ اختلاف ہی نہ شرعاً مستوجب مذمت ہوتا ہے نہ عقلاً قابل تاسف۔ بہرحال اگر جناب کے نزدیک نظم کے اشارہ کردہ اختلافات حق و باطل اور کفر و اسلام کے اختلافات ہیں تو پھر ہر فریق پر یکساں حکم ملامت صحیح نہیں۔ صرف ان اہل باطل پر ہونا چاہئے تھا جو آپ کی نظر میں اہل باطل ہوں۔ اور اگر یہ اختلافات اجتہادی اختلاف کی نوع سے ہیں جو محض خطا و صواب کا اختلاف ہوتا ہے اور جس کی دونوں جانبیں یکساں لئے ہوئے ہوتی ہیں تو یہ ملامت کا حکم سبھی ہی سے صحیح نہیں کہ یہاں ملامت کا کوئی فریق محل ہی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال میں ابتک یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ جناب نے علمائے ہند کو جس اختلاف کا مجرم گردانا ہے اس سے کون سے اختلاف کا ارادہ کیا ہے پھر جو نسا اختلاف بھی

مراد لیا گیا ہو جناب کا یہ منظوم حکم کسی اختلاف پر چسپاں بھی نہیں ہوتا۔ غرض یا تو موضوع نظم کی تعیین میں غلطی کی گئی ہے یا حکم کی تشخیص میں۔ اگر ایک اختلاف حقیقتاً قابل ملامت ٹھیرتا ہے تو اس کی دونوں جانبیں یکساں قابل ملامت نہیں ہوتیں اور اگر ایک اختلاف کی دونوں جانبیں یکساں رہتی ہیں تو وہ قابل ملامت نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مضامین نظم سے کسی گہری نظر کا ثبوت نہیں ملتا جس کی توقع ایک ایسے ناقد سے ہونی چاہئے تھی جو سارے ملک کے تمام علماء پر نقد و تبصرہ کیساتھ حکم لگانے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

پھر قطع نظر اس حکم کی صحۃ و غلطی کے میں ابتک یہ بھی نہیں سمجھ سکا ہوں کہ جناب کا اس نظم سے منشا اور مطمح نظر کیا ہے اور کس مقصد کے ماتحت یہ فکری کاوش کی گئی ہے؟ اگر علماء کے اس واقعی یا غیر واقعی اختلاف کے اوچھالنے کا مقصد پوری جماعت علماء کو قوم میں بے اعتماد ٹھیرانا اور مسلمانوں کو ان سے بدظن اور بے زار بنا کر ان کا رُخ علماء سے پھیر دینا ہی تو سوال یہ ہے کہ علماء سے ہٹ کر پھر علم اور دین کی حفاظت کی توقع کیا یہود و نصاریٰ اور دھریئین یا ان کی وضع پر زندگی بسر کرنے والے بے قید نوجوانوں سے باندھی جائے؟ یا دین سے کلیۃً صبر کر لیا جائے۔

ہاں اگر نظم میں اس ملامتی روئے سخن کا رخ سب علماء کی طرف نہیں بلکہ صرف ان مخصوص طبقات کی طرف ہے جو جناب کے نزدیک اس ملامت کے مستحق ہیں تو پھر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ کسی استثنائی کلمہ سے ادن علماء کی طرف بھی تو اشارہ کر دیا جانا ضروری تھا جو اس ملامت کے مستحق نہ تھے۔ تاکہ نظم سے متأثر ہونے والے عوام اگر ایک طبقۂ علماء سے کٹ جاتے تو ایک طبقہ سے جُڑ بھی جاتے جس سے ان کا علم اور دین محفوظ رہتا۔ ورنہ اگر اس عام ہجو گوئی سے متأثر ہو کر لوگ سارے ہی اہلِ علم اور بالفاظ دیگر علم نبوۃ سے منقطع ہوجائیں تو آپ ہی فرمائیں کہ اس سمیّت کا تریاق نظم کے کون سے مصرع میں تلاش کیا جائے؟۔

اور اگر نظم کا مقصد مدح و ذم اور ملامت و منقبت سے الگ ہو کر محض امۃ کے حال پر رونا اور اظہار دلسوزی کرنا ہے تو اس کے ان مضر اور مہلک اثرات کے پیش نظر اسی نظم میں اظہار درماں بھی ضروری تھا تاکہ مرض کی اگر تولید ہوتی تو ساتھ ہی علاج و دوا کی تخلیق بھی عمل میں آجاتی۔ علاج کے راستہ بن کر کے مریضوں کے سامنے اعلان مرض کرنا میرے خیال میں تو مریض کو مرنے سے پہلے مار دینا ہے۔

ہاں اگر نظم سے جناب کا مقصد محض شاعری ہے تو اس کی داد دینے سے پہلے میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ طبع آزمائی کے لئے فطرۃ کے بہت سے میدان خالی پڑے ہوئے تھے جنمیں طبیعت کی جولانیاں دکھائی جاسکتی تھیں علماء ہند نے ہی آخر کیا قصور کیا تھا کہ شاعری کا تختۂ مشق انُھیں کو بنایا جائے؟۔ اختلاف اگر جرم ہی تھا تو اس جرم کے تنہا وہی تو مجرم نہ تھے۔ آج ہندوستان کی دنیا میں کونسی لائن کا رہنما حلقہ اختلافات سے بری ہے سیاسی زعماء، اقتصادی رہنما، تعلیمی رہبر، بلاغۃ بیان شعراء غرض علمی اور ادبی دینی اور ملکی حلقوں کے سرحلقہ حضرات

جبکہ سارے ہی اس معیبت میں گرفتار ہیں اور ان کے اختلافات کا اثر عوام اور پبلک ہی پر پڑ رہا ہے جس سے عوام الناس مختلف اور متضاد صفوں میں منقسم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ تو پھر اس جرم کی پاداش میں تنہا علماء امت ہی کا طبقہ کیوں قابل سرزنش قرار دیا جا رہا ہے ؟۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ اس شاعرانہ انداز سے آپ نے پرانے اختلافات کو کم کرنے کی بجائے اس نظم کے ذریعہ ایک مابہ الاختلاف اور نیا کھڑا کر دیا ہے جس سے کچھ دنوں اس زخم میں کچھ اور تازگی پیدا ہو جائیگی جیسے پچھلے دنوں سیماب صاحب نے شیطان کی توحید پر نظم لکھ کر کچھ دنوں مذہبی فضاء کو مکدر بنا دیا تھا۔ یا اقبال مرحوم نے ایک رباعی لکھ کر سیاسی اور علمی حلقوں میں کچھ دنوں بدمزگی پیدا کر دی تھی اسیطرح اگر جناب نے بھی ایک نظم لکھ کر اختلاف پسند انسانوں کے لئے ایک نیا سامان اختلاف بہم پہونچا دیا۔ تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ امت کی یہ کوئی صحیح خدمت ہوئی ہے۔

یہ صحیح کہ محق اور مبطل جب آپس میں آویزش کرتے ہیں تو آویزش کی صورت دونوں کی طرف سے یکساں ہوتی ہے۔ مگر محق کا اختلاف حقیقی اختلاف اٹھانے والے مبطل کے مقابلہ پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے سیئہ کی جزاء کو بھی ظاہری مشاکلۃ کی وجہ سے سیئہ کہدیا ہے (جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا)۔ یا تعدی کی پاداش کو بھی صورتاً تعدی فرمادیا ہے (فان اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم) حالانکہ پہلی سیئہ اگر حرام اور قابل ملامت ہے تو جوابی سیئہ حلال اور قابل منقبت ہے۔ پہلی تعدی اگر ناجائز اور مفسدہ ہے تو جوابی تعدی جائز اور مصلحت۔ پس اسیطرح حق و باطل کے اختلاف میں پہلا اختلاف (جو احداث و اختراع سے پیدا ہوتا ہے) ناجائز ہے تو دوسرا دفاعی اختلاف جو اثبات سنۃ سے سرزد ہوتا ہے جائز بلکہ واجب ہے گو صورتاً دونوں کو اختلاف ہی کہا جائیگا۔ پس ان دو مختلف الدعویٰ فریقوں کو محض ظاہری مشاکلۃ کیوجہ سے ایک ہی حکم کے نیچے نہیں گھسیٹا جائیگا۔ بلکہ ان کی اقدامی اور دفاعی۔ اور افسادی اور اصلاحی پوزیشن کو پیش نظر رکھکر حکم لگایا جائیگا کہ اس کے بغیر ایک کا مفسد اور دوسرے کا مصلح ہونا نمایاں نہیں ہو سکتا جسکا نمایاں ہونا ایسے اختلافات میں ضروری اور حکم شرعی ہے۔

اسی کے ساتھ میں جہانتک سمجھ سکا ہوں اس نظم میں اختلافی مسائل کے عنوانات کو علماء کی طرف منسوب کرنے میں بھی احتیاط اور تحقیق سے کام نہیں لیا گیا مثلاً خلق قرآن یا حدوث و قدم نبوۃ کا مسئلہ معتزلہ وغیرہ کے بعد علماء کے معروف طبقات میں سے کسی نے بھی آجتک نہیں اٹھایا۔ حالانکہ نظم میں اسے بھی علماء ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے یا خلف امکان کذب کا عنوان نہ کتب کلامیہ میں ملتا ہے نہ عقائد میں۔ اس مسئلہ کا صحیح عنوان جو کتب کلام میں ہے وہ خلف وعید یا وسعت قدرت ہے اور اسی عنوان سے بعد کے علماء محققین نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ کی تحقیق

کی ہے اور وہ بھی ذیلی اور ضمنی طور پر نہ کہ مستقلاً اس مسئلہ کو اہمیت دیکر اسی کی مخصوص تبلیغ مقصود ہو۔ لیکن اختلاف اٹھانے والوں نے اس مسئلہ کو خصوصیت سے چھانٹ کر اس کی اشاعت اس وحشت افزا عنوان (امکان کذب) سے شروع کی تاکہ عوام کو جذبات محققین کے خلاف مشتعل کئے جا سکیں اور ان کے مقابلہ پر ایک گروہ کھڑا ہے لیکن نظم میں اس محدث عنوان کو بھی پوری جماعت علماء کی طرف اس طرح منسوب کر دیا گیا ہے کہ گویا یہی مسئلہ ایک محدث مسئلہ ہے۔ حالانکہ مسئلہ محدث نہیں اس کا یہ عنوان محدث ہے جسے مخصوص حالات کے ماتحت ایک خاص جماعت نے اٹھایا ہوا ہے نہ کہ علماء نے۔ اسی طرح تکفیر مسلم کا عام مشغلہ بھی ایک مخصوص طبقہ کا مسئلہ اور امتیازی نشان ہے لیکن نظم میں اسے بھی علی الاطلاق سارے ہی علماء کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ حالانکہ میں کم از کم اپنے علم کے مطابق یہ کہہ سکتا ہوں کہ عامۃ تمام علماء باستثناء شرذمہ قلیلہ اور خصوصاً علماء دیوبند اس مشغلہ سے بری اور بیزار ہیں انھوں نے بصد مجبوری اور بعد تحقیق بسیار قادیانیوں کے سوا اور کسی طبقہ کی تکفیر عام سے اپنی زبان و قلم کو آلودہ نہیں کیا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مضمون نظم کسی تحقیق یا امعان فکر پر مبنی نہیں بلکہ سرسری طور پر عوام کے زبان زد اقوال کو نتائج سے بے نیاز ہو کر بلا تحقیق محض شاعرانہ انداز پر نظم کر دیا گیا ہے۔ جس میں عنوان اور معنون دونوں ہی معیار تحقیق اور بلندی نصب العین سے گرے ہوئے ہیں۔

اس موقعہ پر کم از کم ایک یہی بات غور کر لینے کی تھی کہ اسلام بھی صدیوں کا ہے اس کے مختلف فیہ اجتہادی مسائل بھی صدیوں کے ہیں جو صحابہ سے چلے آرہے ہیں اور آج تک اختلافی رنگ میں موجود ہیں اگر فی الحقیقت ان مسائل ہی میں سر پھٹول کی اسپرٹ ہوتی تو صحابہ ہی کے وقت سے یہ فروعاتی نزاعات جاری ہوتے حالانکہ ان جزئیاتی نزاعات کا دروازہ ایک ہی دو صدی سے مسلمانوں میں کھلا ہے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ یہ موجودہ کشمکش یا ذوق جدال و نزاع یقیناً ان مسائل کا اثر نہیں بلکہ مسائل سے باہر کوئی اور ہی مخفی طاقت ہے جو نئے سے نئے ما بہ النزاع پیدا کرتی رہتی ہے اور ایسی طرح کہ گویا اسلام کا ہر مسئلہ نزاع ہی کے لئے وضع ہوا ہے اصولی مسائل ہیں تب جھگڑوں کے لئے اور فروعی مسائل ہیں تب سر پھٹول کے لئے۔ پھر ایک ہندوستان ہی نہیں پوری دنیائے اسلام میں آئے دن ہزاروں قومی، وطنی، سیاسی اور مذہبی ما بہ النزاع تولید ہوتے رہتے ہیں اور اس اسلامی طاقت کو کمزور کرتے رہتے ہیں جس کے ابھرنے سے بہت سی ابھری ہوئی طاقتوں کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہے جس سے صاف واضح ہے کہ عالم اسلامی کے اس ہمہ گیر اختلاف و نزاع میں بہر حال کوئی مخفی ہاتھ ضرور ہے جس نے اپنی مختلف رنگ کی مساعی سے یہ نزاعات کا چمن سرسبز اور بارونق بنا رکھا ہے۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے ان مخفی طاقتوں کو جہاں بہت سے غیر محقق سیاسی ازلطے ہوئے ہیں بہت سے غیر محقق بلکہ ناخواندہ علماء بھی ہاتھ لگے ہوئے ہیں جن کے سہارے یہ کام چل رہا ہے۔ ضرورت تھی کہ صرف سطح ہی کو نہ دیکھا جائے بلکہ اس

مخفی ہاتھ پر بھی نظر رکھی جائے جو ان اختلافات کے پردوں میں کام کر رہا ہے یعنی ملامت کا سارا زور اڑتے ہوئے غبار ہی پر صرف نہ کیا جاتا بلکہ اندر کی محرک ہوا کو بھی دیکھا جاتا جو یہ دھول اڑا رہی ہے۔

بہرحال مضمون نظم کے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھکر جو نظم تک سامنے نہیں رکھے گئے۔ میں حیران ہوں کہ کیا رائے قائم کروں اور کیا ظاہر کروں؟ آیا اس قسم کے منظوم یا منثور مضامین کو مسلمانوں کے اختلافات مٹانے کا ذریعہ کہوں یا اُن اختلافات کو اچھال اچھال کر اور بڑھا دینے کا۔ جناب کے اصرار اور بار بار کی یاد دہانی پر باوجود قلت وقت اور پریشانیٔ افکار کے یہ چند پراگندہ جملے عرض کر دیئے گئے۔ ایسے مضامین شائع کرنے سے پیشتر اگر تبادلۂ خیالات ہو اکرتا اور پھر اشاعت کے بارہ میں رائے قائم کیجایا کرتی تو یہ زیادہ بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ ایک چیز قبل از غور و بحث منظر عام پر لے آئی جائے اور پھر اس کے بارہ میں اچھے بُرے خیالات نکلوا کر فضا کو تشتت خیالات سے لبریز کیا جائے جو قلوب کی بے چینی کا باعث ہیں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں اور پوری دنیائے اسلام کو عمیق فہم، ذوق سلیم اور صراط مستقیم پر چلنے کا داعیۂ صادق عطا فرمائے اور انجام بخیر فرمائے۔ وباللہ التوفیق۔

ضروری اعلان

ماہنامہ "دارالعلوم" کے سالانہ چندہ میں اضافہ

کاغذ، کتابت، طباعت وغیرہ کی حد درجہ گرانی کے باوجود ۶۲ھ میں "دارالعلوم" کے سالانہ چندہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا خیال تھا کہ ۱۳۶۳ھ سے کسیقدر اضافہ کر دیا جائیگا۔ لیکن ۱۳۶۳ھ میں کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے رسالہ کی اشاعت ہی ملتوی رہی۔ ایک سال کی اس مدت میں کتابت اور طباعت وغیرہ کی اجرتوں میں مزید دو چند اور سہ چند کا اضافہ ہو گیا۔ اس لئے مجبوراً مجلس انتظامیہ نے محرم ۱۳۶۴ھ سے رسالہ کا سالانہ چندہ بجائے دو روپئے کے تین روپئے کر دیا ہے۔ جو ہمدردان "دارالعلوم" دو روپئے کے حساب سے چندہ ارسال فرما چکے ہیں انھیں بذریعہ مکتوب بھی اس اضافہ سے مطلع کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ جملہ حضرات ۶۴ھ کا چندہ دو روپیہ کی بجائے تین روپیہ ارسال فرمائیں گے۔

اور جن صاحبوں نے دو روپیہ ارسال فرمادئے ہیں وہ مزید ایک روپیہ ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

(مرتب: ناظم)

اصول جمع دین و دنیا

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

(از جناب مولانا محمد اصغر حسین صاحب پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

انسان فطری طور سے مادی لذتوں کا گرویدہ واقع ہوا ہے۔ اسی لئے مرغوبات جسمانی کی تحصیل اور انکی معارضات کے دفع کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک زور صرف کر دیتا ہے مگر پچھلے ادیان کے اجارہ داران مذہب نے خلاف فطرت قناعت و تنگ عیشی اور اسباب دنیا سے کنارہ کشی کو دین کا محبوب ترین جزو نمایاں کیا۔ مبادا جسمانی نعمتوں سے لذت اندوزی کے فطری تقاضے کو قائم رکھنے اور دنیا کی کشائش اور مدنیت کی بہتات کو دائرہ اباحت میں لینے سے عوام اپنی خواہشات جائز کی تکمیل کی خاطر دین کے نام پر پیٹ بھرنے والے سے بے نیاز ہو جائیں اور ان کے پنجۂ زرکشی و شکم پروری کو بیکار و مفلوج بنا دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین کو تنعمات بدنی و لذائذ جسمانی کے منافی سمجھا جانے لگا۔ جوگ اور رہبانیت اسی خیال کے نتائج ہیں۔ ادہر فطرت نے منافع مادی سے استفادہ والتذاذ کا تقاضا شروع کیا۔ آخر تعلیم دینی اور فطرت انسانی میں جنگ کی ٹھہری مگر ترقی پسندوں کے آلات فطریہ کے مقابلہ میں فتویٰ کفر والحاد کے تیغ و تفنگ کی کچھ نہ چلی اور اس شکست فاش سے دینی علوم و علماء کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جہالت و ضلالت کا دور دورہ ہو گیا۔ جب قرآن حکیم نازل ہوا تو اس نے بتایا کہ دین مدنیت اور دنیاوی سامان زندگی کا صرف یہی نہیں کہ منافی نہیں ہے بلکہ اس کا حامی ہے ہاں اعتدال کا نگاہ رکھنا ضرور ہے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ۔ (سورہ بقرہ)

اے پروردگار ہمارے ہمکو دنیا میں بھی بہتری عطا کر اور آخرت میں بھی بہتری عنایت فرما۔

یا بنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ۔
(سورہ اعراف۔ رکوع ۳)

اے انسانو مسجد کی حاضری کیوقت اپنی زینت کی چیز لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ پیو مگر حد سے باہر نہ جاؤ۔ بے شک اللہ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا کہہ دیجئے اے پیغمبر کہ اللہ نے جو زینت اور خورش کی پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں انکو کس نے حرام کیا ہے۔ کہدیجئے اے پیغمبر کہ یہ نعمتیں دنیا میں مومنوں کے واسطے ہیں اور آخرت میں خاص ان ہی کی ہوں گی۔

من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا والاٰخرۃ (سورۂ نساء، ع ۱۸)

جو کوئی دنیا ہی کا انعام چاہتا ہو تو اللہ کے ہاں دنیا و آخرت دونوں کا انعام موجود ہے۔

غرض قرآن نے ہر قسم کی ترقی (مادی و ادبی ہو یا روحانی و نفسانی) کی راہیں کھولدیں اور چونکہ ہر نوع کی ترقیوں کا دارومدار علم و فن پر تھا اس لئے بتایا گیا کہ علم و ہنر حاصل کردہ پر قناعت نہ کرکے ہمیشہ ان میں ترقی کرتے رہنا چاہئے۔

وقل رب زدنی علماً (سورہ طٰہٰ ع ۷)

اور کہو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور تمکو تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔

وھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (زمر ع ۱)

کہیں عالم و جاہل برابر ہوتے ہیں؟

چنانچہ دور اول کے مسلمانوں نے دین و دنیا دونوں کو دوش بدوش چلا کر عالم کو حیرت میں ڈال دیا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان اپنے دوسرے اصولوں سے اعراض کرنے کے ساتھ اس سے بھی منحرف ہوگئے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرن ثانی کی استبدادی حکومت اور امرائے سلطنت کے آپس کی جنگ و عناد۔ فتنہ و فساد نے عالم اسلامی کی کچھ سکون پسند طبائع کو حیات ناپائدار دنیا کی کشمکش سے بالکلیہ پھیر کر محض حیات جاودانی کی لازوال نعمتوں کیطرف متوجہ کردیا۔ پھر زہد و ترک دنیا کی ضعاف حدیثوں کے رواج۔ اور اسی نوع کی حکایت و قصص کی تالیفات نے مسلمانوں کے نفوس پر ایسا اثر ڈالا کہ گوشہ نشینی و تنگ عیشی۔ اور فقر و مسکنت کی زندگی مرغوب ہوگئی۔ حتیٰ کہ غیر مسلموں کی مادی و مدنی ترقیات و اختراعات کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے عقبیٰ ہے۔

پس اس عجز دستی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کا جذبہ رکھتے ہوئے کیا اس خلافت ارضی کا خیال اور اس کے اسباب فراہم کرنے کا ولولہ پیدا ہوسکتا ہے۔ جس کا خدائے جہان نے وعدہ کیا ہے؟

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کو ضرور خلیفہ بنائیگا۔ اور ضرور جمائیگا ان کے لئے اس دین کو جس کو پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا ہماری عبادت کیا کریں اور کسی چیز کو میرا شریک نہ کریں۔

رباعیات محمود

(از مولانا محمود اسرائیلی سنبھلی)

اک نظم سے منسلک ہیں سب زیرِ فلک
دانے سے شجر، شجر سے گل، گل سے مہک
الماس سے معدن اور معدن سے کوہ
دریا سے صدف، صدف سے دُر، دُر سے چمک

ہر نطفہ میں ایک جسم خوابیدہ ہے
ہر دانے میں ایک نخل بامیدہ ہے
ہر قطرۂ ساکن میں ہے دریا کا جوش
ہر موج ہوا میں برق پوشیدہ ہے

ہر گل سے شمیم جاں فزا پیدا ہے
ہر رنگ میں شانِ کبریا پیدا ہے
شیدائے ثمر زمین گلشن کو دیکھ
ہر ذرّہ سے اک نیا مزا پیدا ہے

وہ ریزۂ سنگ ہوں کہ گنجینہ ہو
یکساں ہیں اُسے جو کوئی نابینا ہو
جبتک کوئی پیدا نہ کرے چشمِ کلیمؑ
کیا اس کو تمیز جلوۂ سینا ہو!

گر مادہ و روح ہیں آزاد و قدیم
مطلق نہیں یہ تابعِ خلّاقِ کریم
عنصر میں تناسب اور الحاق روح
خود ہوگیا! کیونکر کریں اس کو تسلیم؟

احادیث منظوم

(از مولانا محمود اسماعیل سنبھلی)

نہی عن المنکر کی تاکید

کرے مسلم جو کام دیں کے خلاف — روک سکتا ہو گر تو ہاتھ سے روک
اتنی طاقت اگر نہیں تجھ میں — ٹوک سکتا ہو تو زبان سے ٹوک
ورنہ دل ہی میں اس سے نفرت کر — تجھ سے یہ بھی نہ ہو تو ہے ڈرپوک

اپنا ہر کام خود کرو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ فرماتی ہیں — آپ پاپوش کو خود ٹانک لیا کرتے تھے
جامۂ پاک کسی سمت سے پھٹ جاتا تھا — تو اسے دستِ مبارک سے سیا کرتے تھے
اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ خود بکریوں کا — دودھ دُہ دُہ کے ہمیں آپ دیا کرتے تھے

مختصر یہ ہے کہ جو کام بشر کرتے ہیں
بے تکلف وہی حضرت بھی کیا کرتے تھے

منافق کی علامات

پیغمبر حق کی تھی یہ تاکید مدام — بچتے رہیں ان سے پیروانِ اسلام
دنیا میں منافق کی علامات ہیں چار — بدعہدی و خیانت و کذب و دشنام

گذارش

اپنے "ماہنامہ" کے چند نئے معاونوں کا چندہ بھجوا کر اس زمانۂ گرانی میں "دارالعلوم" کی امداد فرمائیے۔

بہی خواہان دارالعلوم سے گذارش

موجودہ زمانہ جتنا نازک اور پریشان کن گذر رہا ہے اس سے ہر انسان بخوبی واقف ہے۔ ایسے حوصلہ شکن گرانی اور مشکلات کے دور میں سیکڑوں مہمانان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام چھوٹی بڑی ضروریات زندگی کا مہیا کرنا اور دارالعلوم کے عظیم الشان کارخانہ اور اسکے فیض عام کو بدستور جاری رکھنا کس درجہ دشوار ہو اسکا بھی جناب جیسے دردمند بزرگ کو یقیناً پورا پورا اندازہ ہوگا۔ ضروریات زندگی کی حد درجہ گرانی اور بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم کیطرف طالبان علوم دینیہ کا عام رجوع اور اسکی ترقیات کا نتیجہ یہ ہو کر ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں آپکے اس مذہبی و علمی مرکز کو اپنی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے تقریباً۔

ساڑھے تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے

دارالعلوم دیوبند اپنے مقدس بانیوں اور بزرگوں کی وصیت کیمطابق سلطنت کے خزانوں سے بحمداللہ تعالیٰ کبھی کوئی امداد حاصل نہیں کرتا اور اسکے تمام مصارف حق تعالیٰ ہمیشہ اپنے نیک بندوں ہی کے ذریعہ پورے کراتے ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کی طرح اس سال کی مندرجہ بالا گرانقدر رقم بھی دارالعلوم کے بہی خواہوں اور نیکدل مسلمانوں کی امدادوں اور کوششوں سے پوری ہوگی اگر مخلصین دارالعلوم صرف اس امر کا مصمم ارادہ کرلیں کہ ہر مناسب موقع پر خود بھی دارالعلوم کی خدمت کریں گے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلائیں گے۔ تو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد دارالعلوم کی اچھی خاصی امداد ہو سکیگی۔ خصوصاً حسب ذیل طریقوں سے دارالعلوم کی بہت کچھ امداد کی جاسکتی ہے۔

۱۔ امور خیر میں خرچ کرنے والے حضرات کو دارالعلوم کی مستقل اور یکمشت امداد کا شوق دلاکر۔

۲۔ رمضان المبارک اور ماہ رجب میں جب مسلمان عام طور پر اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ زکوٰۃ کی رقموں کا بیشتر حصہ دارالعلوم کے مستحق امداد اور نادار طلبۂ دین کی ضروریات پر صرف کرنے کا مشورہ دے کر۔

۳۔ عید اضحیٰ میں قربانی کی کھالیں دارالعلوم کیلئے فراہم کرانے کا کوئی مناسب اور قابل اعتماد انتظام کرکے۔

۴۔ عیدالفطر میں صدقۂ فطر کی فراہمی کا نظم قائم کرکے۔

۵۔ پیداوار اور آمدنی تجارت وغیرہ میں سے دارالعلوم کی وقتی امداد کا جذبہ پیدا کرکے۔

جب یہ رسالہ آپکے ہاتھ میں پہنچیگا تو رجب شروع ہوچکا ہوگا لہذا ان نیکدل مسلمانوں سے جو رجب میں زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں امید ہے کہ وہ اپنی اور اپنے احباب کی زکوٰۃ کا زیادہ سے زیادہ حصہ دارالعلوم کو بھجوانیکی سعی فرماکر دوگونہ اجر کے مستحق بنیں گے اور خدام دارالعلوم کو شکرگذاری کا موقع دیں گے۔ (نوٹ) حضرات بہی خواہان میں سے جب بھی کوئی صاحب اپنی یا کسی دوسرے کی امداد بھجوائیں تو کوپن یا خط میں یہ ضرور تحریر فرمادیں کہ یہ رقم بسلسلۂ بہی خواہی دارالعلوم بھیجی جارہی ہے۔ تاکہ دفتر بہی خواہان میں بھی اس رقم کا اندراج ہوسکے۔

احقر عبدالوحید ناظم حلقۂ بہی خواہان دارالعلوم دیوبند

چند اغلاط کی تصحیح

"ماہ محرم تا ربیع الاول کے پرچہ میں مسودوں یا کاتب کی غلطی کی وجہ سے بعض آیات واحادیث غلط شائع ہوگئی ہیں جن کا غلط نامہ ذیل میں دیا جاتا ہے. قارئین کرام درست فرمائیں"

(مرتب)

مضمون	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
خطبۂ صدارت اجلاس بمبئی	۱۹	۱۰	لعلی انبع السمٰوٰت فاطلع الیٰ الٰہ الخ	لعلّی اَطّلع الیٰ الٰہ الخ
" "	۲۱	۱۲	ان لاتقاتلوا ومالنا	ان لاتقاتلواقالواومالنا
حقیقت انسان	۳۲	۳	علی اخراجکم ان تبروھم	علی اخراجکم ان تولوھم
"	۳۴	۹	والذین	ان الذین
"	"	"	بایات اللہ	بعہد اللہ
"	۳۴	۱۰	او لاخلاق لھم	اولٰئک لاخلاق لھم
"	۳۷	۲۲	التی انزل لعبادہٖ	التی اخرج لعبادہ
"	۳۸	۸	ان الذین	والذین
"	۳۸	۱۱	وجنوبھم ھٰذا	وجنوبھم وظھورھم ھٰذا
"	۴۰	۵	الذین ینفقون	مثل الذین ینفقون
"	۴۲	۱۳	ولاتباغضوا وتحاسدوا	ولاتباغضوا ولا تحاسدوا
"	۴۵	۱۴	ولوانفسکم	ولوعلیٰ انفسکم

تخمینہ مصارف دارالعلوم دیوبند

بابت

سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق سنہ ۱۹۴۵ء

اس سال آپ کے دارالعلوم کو اپنے پورے سال کے مصارف کے لئے تقریباً تین لاکھ روپے کی ضرورت ہے مصارف کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک مصرف بجائے خود ایک مستقل صدقہ جاریہ ہے۔

بزرگان دیوبند کی وصیت کے مطابق دارالعلوم کو سلاطین کے خزانوں کا دست نگر بننے سے ہمیشہ بچایا گیا ہے اس عظیم الشان مرکزی ادارہ کے تمام مصارف حق تعالیٰ مخلص مسلمانوں کی امدادوں سے پورے کراتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنی تمام عطیات مستقل مدا دیں زکوٰۃ، صدقات فطر وغیرہ، چرم قربانی اور دیگر مصارف خیر اپنے اس دینی مرکز میں صرف کرکے بہترین ذخیرہ آخرت مہیا کر سکتے ہیں

خرچ کی مدیں	اس سال کا خرچ	کیفیت
تعلیم و متعلقات	۶۲۰۰۰/-	اس سال دارالعلوم میں (۴۳) کامل اور لائق اساتذہ اور مختلف شعبہ جات میں (۱۰۶) آدمیوں کا عملہ کام کر رہا ہے جن کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے ادا کی جاتی ہیں۔ تمام دنیائے اسلام کے (۱۲۱۳) طلبہ تعلیم دین حاصل کر رہے ہیں۔ دارالعلوم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طلبہ سے کسی قسم کی کوئی فیس وصول نہیں کرتا بلکہ خود ان کی امداد کرتا ہے
طلبہ کے مصارف	۶۵۰۰۰/-	اس سال (۶۷۸) طالب علم ایسے ہیں جنھیں دارالعلوم کی جانب سے خوراک، سردی، گرمی کا ضروری لباس، سواری، روشنی، کمروں کا فرش اور تمام چھوٹی بڑی ضروریات زندگی بلا معاوضہ مہیا کی جاتی ہیں۔ زکوٰۃ و صدقات کی رقوم انھیں نادار طلبہ پر صرف ہوتی ہیں۔ جو طلبہ اپنے کھانے پینے کا خرچ خود برداشت کرتے ہیں۔ ان سے بھی تعلیم، کتابوں اور رہنے کی جگہ وغیرہ کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے۔
تبلیغ و بیرون	۲۰۰۰۰/-	اکابر دارالعلوم، اساتذہ، طلبہ درجہ تکمیل اور دیگر متعلقین دارالعلوم کے علاوہ جو ملک کے مختلف حصوں میں تبلیغ دین کیلئے سفر کرتے رہتے ہیں (۳) مستقل مبلغ ملک کے گوشہ گوشہ میں تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرتے رہا مور ہیں۔ سفر لالغیر تنظیم بھی اس سلسلہ میں اہم
کتب خانہ	۶۰۰۰/-	یہ کم سے کم رقم ہے جس کی اس سال کتبخانہ دارالعلوم کو کتب حدیث، فقہ، تفسیر، تجوید اور قرآن مجید کی فراہمی کیلئے فوری طور پر ضرورت ہے۔ ارباب خیر خصوصی توجہ فرمائیں کتبخانہ دارالعلوم میں اس وقت (۴۸۹۴۶) کتابوں کا عظیم الشان اور بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے لیکن درسی کتابوں کی کمی جو تمام طلبہ کو مستعار دیجاتی ہیں۔ منتظمین و طلبہ کیلئے وجہ پریشانی بن رہی ہے۔
تعمیرات	حسب ضرورت بتخمینہ دو لاکھ روپے	یوں تو دارالعلوم کی دن دونی رات چوگنی ترقیات کے پیش نظر بہت سی عمارتوں کی شدید ضرورت ہے لیکن سر دست فوری طور پر مہمان خانہ، گودام، طالب ترتیب، جدید دارالاقامہ کا برامدہ، اساتذہ و ملازمین دارالعلوم کے لئے مکانات بہی خواہان دارالعلوم و ابنائے قدیم کا دفتر اور اس کی متعلقہ عمارات کی تیاری نہایت ضروری ہے ان عمارتوں پر موجودہ گرانی میں کم و بیش دو لاکھ روپے صرف ہوں گے اصحاب ثروت کے لئے یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے اگر وہ ہمت سے کام لیکر اپنے لئے صدقہ جاریہ بنانے کا ارادہ کرلیں۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

موجودہ حوصلہ شکن گرانی کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند (جس کا سب سے بڑا اور اصلی سرمایہ مخلص مسلمانوں کی امداد ہے نہ کہ سلاطین کے خزانے) اپنے گرانبار مصارف کو پورا کرنے کیلئے آپکی غیر معمولی امدادوں کا مستحق ہے لہٰذا ہمیشہ کی طرح اس سال بھی دارالعلوم کی مالی ساکھ کو قائم رکھنے کیلئے پوری ہمت صرف فرماکر اجر عظیم حاصل کیجئے۔

(نوٹ) اپنی امدادی رقوم کے ساتھ یہ ضرور ظاہر کردیجئے کہ یہ رقم "بسلسلہ بہی خواہی دارالعلوم" بھیجی جا رہی ہے۔ تاکہ آپ کے دفتر (بہی خواہان) میں بھی اس رقم کا اندراج ہوجائے۔ اس سلسلہ کی ہر قسم کی خط و کتابت "ناظم حلقہ بہی خواہان دارالعلوم دیوبند" کے پتہ پر کیجئے

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
{صدر مجلس تنظیم و ترقی و صدر مدرس دارالعلوم دیوبند}

احقر محمد طیب غفرلہ
{مہتمم دارالعلوم دیوبند}